اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۶
شمارہ ۲

ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
نومبر ۱۹۹۰ء

بانی: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی

ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز ــــــــ ادارہ ــــــــ ۲
(نئی حکومت، ذمہ داریاں، توقعات اور ترجیحات — قصاص و دیت آرڈیننس اور احتجاج)

خلیجی بحران میں سعودی عرب کا شاندار کردار ــــــــ مولانا سمیع الحق ــــــــ ۷

اسرائیلی جارحیت اور اضطراب انگیز مشاہدات ــــــــ مولانا عبدالقیوم حقانی ــــــــ ۹

اسلامی بینک کاری اور بیع مرابحہ ــــــــ مولانا شہاب الدین ندوی ــــــــ ۱۳

قلب ذاکر "سانپ" الااللہ ہے ــــــــ مولانا پروفیسر محمد اشرف صاحب ــــــــ ۲۷

خلیجی بحران کا ذمہ دار کون؟ ــــــــ محمد سہیل اقبال ــــــــ ۳۱

میری علمی اور مطالعاتی زندگی ــــــــ شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید ــــــــ ۳۵

تفسیر المظہری کا ناقدانہ جائزہ ــــــــ ابومحفوظ الکریم معصومی ــــــــ ۳۷

دینی مدارس میں سائنس کی تعلیم ــــــــ مولانا اسیر ادروی (بنارس) ــــــــ ۴۵

اہم دینی پیغام ممبران اسمبلی کے نام ــــــــ مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی ــــــــ ۵۱

ناصر الحدیث حضرت امام شافعیؒ ــــــــ ڈاکٹر جمیلہ سٹرا ــــــــ ۵۳

دارالعلوم کے شب و روز (مجلس شوریٰ کا جلسہ) ــــــــ شفیق الدین فاروقی ــــــــ ۶۱

تعارف و تبصرہ کتب ــــــــ ادارہ ــــــــ ۶۳

پاکستان میں سالانہ -/۵۰ روپے فی پرچہ -/۵ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۱۲ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

٭ نئی حکومت، ذمہ داریاں، توقعات اور ترجیحات

٭ قصاص و دیت آرڈیننس اور کچھ لوگوں کا احتجاج

اس میں شک نہیں کہ پاکستان کے غیور مسلمانوں نے اپنی دینی بصیرت، اور پختہ سیاسی شعور کا ثبوت دیتے ہوئے انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کا بھرپور ساتھ دیا مگر ان کے پیشِ نظر صرف جبر و استبداد، جمہوری آمریت، عورت کی حکمرانی، ظلم و تشدد، مغربی آزادی، عریانی و فحاشی اور اباحیت کی علمبردار حکومت کے طوقِ غلامی سے گلو خلاصی نہیں تھی بلکہ وہ ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں اپنی فاش غلطی کا زبردست ازالہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ مملکت عزیز پاکستان کے تمام مسائل اور مشکلات کا حل اور ملکی سالمیت کا استحکام صرف شریعت اسلامیہ کی ترویج اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ نظام حیات کے نفاذ میں ہے۔ اسی عنوان سے اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل اور اسی جذبہ نے سابقہ حکومت کے خلاف ایک موثر اور انقلابی تحریک کی شکل اختیار کی۔ اسی مشن کی تکمیل کی خاطر اہلِ وطن نے بے پناہ ایثار، بے مثال قربانی اور جرات مندانہ حوصلے اور پختہ سیاسی شعور کا وہ مظاہرہ کیا جس کی مثالیں برصغیر کی تاریخ میں کم ملتی ہیں۔ اسلامی جمہوری اتحاد کی قیادت اور نئی حکومت کو نیا انقلاب اور اقتدار مبارک۔ مگر قوم اپنی بنیادی مقصد سے ابھی ہم کنار نہیں ہوئی۔ اگر اب بھی اربابِ اقتدار سابقہ حکومتوں کی طرح نفاذِ شریعت، ترویج اسلام اور شریعت بل کی منظوری و اجراء سے پہلوتہی کر کے منافقت اور مداہنت کی راہ پہ گامزن ہوئے تو اسے کسی طرح بھی نہ تو عقلمندی سے تعبیر کیا جا سکے گا اور نہ کوئی ہوشمند اسے ملک و ملت سے وفاداری، خیر خواہی اور نظریاتی اساس کی پاسداری قرار دے سکے گا۔ ایسا کرنا بلاشبہ قوم کے سیاسی و دینی شعور، حسن ظن، اعتماد و محبت اور بے مثال قربانیوں کا منہ چڑانا ہوگا۔ تاریخ ایسے لوگوں کو ہرگز برداشت نہیں کرے گی۔ اس طرح کے لوگ ہمیشہ تاریخ کے صفحات میں "قومی مجرم" اور "خدائی باغیوں" کے سیاہ باب میں قابلِ نفرین بن کر رہتے ہیں۔

ہمیں مسرت ہے کہ مدتوں کے بعد ایک اخلاقی اور دینی فضا بنی ہے۔ [illegible] نظام حیات کے لئے پیدا ہوگیا ہے۔ مگر بدقسمتی قوم کی! کہ [illegible]

مفاد پرست قوتیں تاخیر و تعویق کے گھر سے جوڑ سے قتل و جیتے کی مذموم سعی میں مصروف ہیں ۔

ہمارے موجودہ صدر جناب غلام اسحٰق خان کی پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے طویل تقریر کا اپنے انداز خطابت، اصول و قواعد کی اہمیت، نظریاتی اساس سے مطابقت، قانون الٰہی کے احترام اور ملکی سالمیت، قومی امنگوں سے بھرپور اور [illegible] کی جس قدر بھی آئینہ دار ہو اس کی جامعیت اور بروقت انتباہ کے ہمراہ اعتراف کے ساتھ ہم یہ بھی گذارش کریں گے کہ ان کے دل میں اگر واقعۃً ملکی سالمیت کے تحفظ کا جذبہ، اور اسلام کی طلب اور تڑپ ہے تو ناصحانہ وعظ و تلقین سے بڑھ کر ایک ایک لمحہ غنیمت سمجھ کر عملاً اسلام کے اجراء و تنفیذ کو اولین اہمیت دینی چاہئے جب کہ موجودہ حیثیت میں وہ اس سلسلہ میں مؤثر اور کامیاب کردار ادا کر سکتے ہیں ۔

نومنتخب وزیراعظم جناب محمد نواز شریف کی اولین نشری تقریر اور خوش آئند وعدے قابل قدر ہیں مگر نئی حکومت کو بھی اپنی کارکردگی محض سنہری تخیلات اور خوش آئند وعدوں تک نہیں بلکہ ان کو عملی جامہ پہنانے کی صورتیں نکالنی چاہئیں ۔

بلکہ نئی حکومت کو تو اپنی کارکردگی کا آغاز شریعت بل کی منظوری کے مبارک فیصلے سے کرنا چاہئے جس کی منظوری ایوان بالا پہلے سے دے چکا ہے اور آل پارٹیز شریعت کانفرنس میں مسلم لیگ سمیت ملک کی تمام چھوٹی بڑی سیاسی اور دینی جماعتیں بھرپور حمایت کا اعلان کر چکی ہیں ۔ اور اگر حقیقی تجزیہ کیا جائے تو شریعت بل ہی سابق حکومت کے جبر و استبداد کے ایوان میں آخری کیل ثابت ہوا ۔ اگر حکومت نے شریعت بل کی منظوری کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس حسن آغاز سے حکومت کے اخلاص پر لوگوں کا اعتماد مستحکم ہوگا ۔ اور نفاذ اسلام کے آئندہ مراحل میں اللہ کی تائید و نصرت اور عوام کی بھرپور حمایت حاصل رہے گی ۔

قوم کی آس، خدانخواستہ کہیں یاس میں بدل جائے اگر نئی حکومت بھی نفاذ شریعت اور ملکی استحکام کے اہم ترین امور کو صرف عہد و پیمان کی تجدید تک محدود کر دے تو اس ملک میں اسلام کے عملی نفاذ کی صورتیں آخر کب پیدا ہوں گی ؟

لوگ بہت جلد خوشگوار تبدیلیاں دیکھنا چاہتے ہیں انہیں اسلام اور اسلامی نظام کے نفاذ کے بارہ میں صرف وعظ و تبلیغ اور عہد و پیمان سے نہیں اس کے اجراء و تنفیذ اور عملی پیش رفت سے دلچسپی ہے ۔ صدر اور وزیر اعظم کی جانب سے ملک کا معاشی اور اقتصادی بحران جو عوام کے اضطراب اور بے چینیوں کا ایک بنیادی اور اہم سبب ہے لوگ منتظر ہیں کہ اس پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے ؟

ہماری دلی دعا ہے کہ حق تعالیٰ نئی حکومت کو ملک و ملت کی بہترین خدمت، ملک کے استحکام، اسلام کے [illegible] کی اصلاح کا خاص الخاص توفیقات عطا فرمائے ۔ اس میں حلیمیٰ [illegible]

دورہ، غلبہ اور شریعت غرا کے نفاذ کے آرزومند تمام اہل وطن، علماء و مشائخ، اہل علم، اربابِ فکر و دانش، سیاسی زعماء، قومی ترقی اور ملکی سالمیت و استحکام کے تمام بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے حضور گڑگڑا کر شریعت مطہرہ کے نفاذ کی دعائیں کریں۔ اس وقت ملک کے اندر اور باہر فتنوں کے طوفان اٹھ رہے ہیں، کچھ بدنصیب ایسے بھی ہیں کہ پہلے ہی قدم میں اسلامی جمہوری اتحاد کے مقاصد سے غداری کی سوچ رہے ہیں، کچھ لوگ اپنے بیرونی آقایانِ ولی نعمت کے اشاروں پر اپنی بصیرت و بصارت بلکہ دینی نقطۂ نظر سے فکر و عمل کے تمام تقاضوں کو طاقِ نسیاں پر رکھ دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ ملک کی دینی جماعتوں بالخصوص تحریک نفاذ شریعت کے قائدین کو ملک کے موجودہ گھمبیر اور نازک حالات میں نہایت عزم و احتیاط، تدبیر و فراست سے قدم اٹھانا چاہیے۔ کسی قسم کی غفلت، تساہل اور تسامح بلکہ ایک لمحہ کی لغزش بھی منزلِ مقصود یعنی نظامِ اسلام اور جادۂ شریعت کی مسافت کو صدیوں تک طوالت دے سکتی ہے ؂

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

قصاص و دیت آرڈیننس اور کچھ لوگوں کا احتجاج

بات تو اتنی تھی کہ عدالتِ عظمیٰ کی ہدایت پر صدرِ مملکت جناب غلام اسحاق خان نے اسلام کے شرعی احکام کا ایک مختصر باب "قصاص و دیت آرڈیننس" کے نام سے جاری کر دیا۔ شریعت مطہرہ کے نفاذ اور نئی حکومت کے لئے کام کرنے کے ترجیحات کے تعین میں ہر لحاظ سے یہ ایک مبارک پیش رفت ہے جس کی جتنی بھی تحسین کی جائے کم ہے۔ مگر آرڈیننس سے عاقلہ والے حصے کو نکال دینا اور اسلامی نظریاتی کونسل کے علم و مشورے کے بغیر ان کے تیار کردہ مسودۂ قانون میں کتر بیونت یا ترمیم و اضافہ کسی بھی لحاظ سے مستحسن نہیں اور اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اور حکومت کا یہ فرض بنتا ہے کہ وزارتِ قانون کے جن ظالم ہاتھوں نے خدا و رسول کے قانون میں قینچی چلائی ہے اور پوری قوم میں بے چینی، بدامنی اور اضطراب اور خود حکومت کے لئے آغاز کار میں مشکلات اور اسلام کے ساتھ تضحیک و استہزا کے حالات پیدا کر کے سنگین ملی اور قومی جرم کا ارتکاب کیا ہے وہ ہاتھ کاٹ دئے جائیں۔ اور ان مجرموں کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ آئندہ کسی بھی بدباطن کو اس کی جرأت نہ ہو سکے۔

تاہم اس کی یہ قیمت، کہ پورے ملک میں ٹرانسپورٹ بند کر دی جائے ملکی نظم و نسق اور کاروبار معطل ہو جائے اور ٹھیک اس وقت جب نئی حکومت کو ملک میں کام کرنے کی ترجیحات کا تعین کرنا ہے، کچھ اہل وطن ملک کو پھر سے دناءت، فکری ٹیڑھے پن، نظریاتی دشمنی و بے ضمیری، سیاسی عہد شکنی اور اسلام دشمنی میں آگے بڑھانے میں کسی بھی مذموم اقدام کے کر گذرنے سے دریغ نہ کریں حد درجہ قابل مذمت اور پس منظر

[illegible] کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔

اس فتنۂ انگیزی کا ایک علاج تو وہی ہے جو عموماً ہمارے حکمرانوں کا وطیرہ اور ہر حکومت کی پالیسی رہا ہے کہ "مغربی ڈپلومیسی" کے اصول پر عمل کیا جائے۔ کبھی مسئلہ کمیشنوں اور کمیٹیوں میں الجھایا جائے کبھی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول (بدترین بے اصولی) کو اپنایا جائے۔ اور کبھی جبر و استبداد سے مسئلے کو دبایا یا حل کیا جائے۔ لیکن ہر صاحب عقل و فہم تاریخ کے صفحات ہی سے نہیں اپنے گرد و پیش کی دنیا اور اپنے سر کے آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتا ہے کہ یہ تمام طریقے نہ تو مسائل کو سلجھا سکتے ہیں اور نہ ہی یہ دیرپا نتائج کے حامل ہیں ——— ان طریقوں سے ملی انتشار میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ قوم کی صلاحیتیں منفی کاموں میں لگ جاتی ہیں استحصال پسند طبقات کے اعمال اور ان کی سرگرمیاں قوم کے رہے سہے وقار کو ختم کرنے اور بیرونی دنیا کی نگاہوں میں اسے مزید "پست" اور "ذلیل" کرنے کا باعث بنتی ہیں ——— اس طرح جو کام مسلمانوں کے وحدتِ ملی اور ان کے دین اور ان کی مملکت کے ازلی دشمن کرنا چاہتے ہوں وہ یہ کام خود اپنے ہاتھوں سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں لگ جائیں تو یہ صورت بدبختی کی خطرناک علامت ہے۔

ان طریقوں کے بالمقابل، ایک اور بھی نظریہ، ان مسائل کے حل کرنے کا ہے یہ وہ نظریہ اور طریق فکر و عمل ہے جو مختلف نسلوں، جماعتوں، حکومت و رعایا اور طبقات میں منقسم انسانوں کو، ایک ایسے رشتۂ اتحاد میں منسلک کرتا ہے جو نہ صرف یہ کہ ٹوٹتا نہیں، بلکہ اس کی امتیازی صفت یہ ہے کہ انسانی قافلہ جب تک اس طریق فکر و عمل پر چلتا رہتا ہے اس کے مابین، اتحاد، اعتماد، باہمی تعلق اور قومی معاملات میں معاونت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جاتی ہے۔

اس کا واحد حل یہ ہے کہ ارکان حکومت سمیت ملک کے تمام افراد (جب حکومت نفاذ شریعت میں مخلص بھی نظر آئے) ترویج شریعت اور تنفیذ احکام اسلامی کے مقدس مشن کی تکمیل کے لئے بنیانِ مرصوص بن جائیں ملک کے تمام مسلمان اپنے فروعی اختلافات کو یکسر نظر انداز کر کے اسلام اور خالص نفاذ اسلام کی بنیاد پر ایک جسم و جان کی صورت اختیار کر لیں۔ خدا و رسول ؐ کے احکام میں کسی دباؤ، کسی جلسہ جلوس اور کسی بھی دھونس دھمکی اور ہڑتال کی پرواہ کئے بغیر ٹھوس، مستحکم اور غیر متزلزل موقف اختیار کریں تو کسی بھی مرحلے میں ناکامی یا ندامت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قصاص و دیت آرڈیننس اور ملک گیر کامیاب ہڑتال کے تناظر میں غور فرمائیے، اپنی قوم اور مملکت

کی بدبختی ہے کہ جو چیز (احکام شریعت کی تنفیذ واطاعت) عقل ودانش اور معرفت وایمان ضروری کا ذریعہ تھی اور جسے رؤف ورحیم آقا نے علم وبصیرت اور ایمان ویقین سے آراستہ افراد کا امتیازی وصف قرار دیا تھا جہالت وشعبیت، معصیت، وبغاوت، استنکاف واستکبار اور اس کے مآل وانجام کو نظر انداز کر کے وقتی اور عاجلانہ مقاصد، سطحی اور ادنیٰ مفادات وخواہشات نے ظالم بدترین ایک آرڈیننس کو جو ابھی ناتمام ہے اور جسے ابھی تک قومی اسمبلی سے قانونی تحفظ بھی حاصل نہیں ہوا فتنے اور فساد کا ذریعہ بنا لیا اور یوں یہ انسان جسے "احسن تقویم" سے نوازا گیا تھا خود کو اسفل السافلین کے قعر ذلت میں دھکیلنے پر رضامند ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بہرحال اسلامی قوانین، خدا ورسول ﷺ کے قوانین ہیں ان کی تضحیک واستہزاء اور مخالفت، اپنے دین وایمان کا نقصان ہے۔ امید ہے کہ حکومت سمیت تمام ذمہ داران قوم آئندہ ایسے مواقع مہیا نہ ہونے دیں گے۔ جس سے اسلامائزیشن اور نفاذ شریعت کی پیش رفت کو نقصان پہنچے۔

(عبدالقیوم حقانی)

مولانا قاری لعل محمد حقانی کی شہادت

دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فاضل، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے خادم خاص اور جہاد افغانستان کے محاذ جنگ کے عظیم سپاہی حضرت مولانا قاری لعل محمد صاحب وزیرستانی بھی گذشتہ ہفتے ۱۷ نومبر ۱۹۹۰ء کو شہید کر دیئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ——— خوف خدا سے عاری قاتل کے مغضوب و ذلیل ہاتھوں کا نشانہ بننے والے قاری صاحب موصوف ۲۲ شوال ۱۳۸۷ھ کو دارالعلوم میں داخل ہوئے، ۱۳۹۳ھ میں تکمیل علوم کے بعد دورہ حدیث مکمل کیا۔ علم وعمل کا یہ شجر طوبیٰ بار آور ہوا تو حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مشورہ سے اپنے علاقہ میں خدمت علم ودین میں مصروف ہو گئے۔ جہاد افغانستان شروع ہوا تو اپنے شیخؒ کی تمنا اور آرزو کے پیش نظر اسے اپنی تمام تر مساعی کا ہدف بنا لیا اور قلیل مدت میں مختلف محاذوں پر عظیم کامیابیاں حاصل کیں ——— اخلاق وشرافت، علم وذہانت اور اساتذہ سے محبت واحترام کے پیش نظر سب کے محبوب بن گئے حتیٰ کہ ملاء اعلیٰ کی ملکوتی کائنات بھی ان کی مشتاق دید بن گئی اور خلعت خون شہادت سے سرفراز کر دیئے گئے۔ قاری صاحب موصوف کے مولانا سمیع الحق اور مولانا انوار الحق صاحب سے بھی بہت قریبی مراسم اور وارفتگی کی حد تک تعلق خاطر تھا جسے وہ زندگی کے آخری لمحے تک نبھاتے رہے ——— موصوف کی شہادت کی خبر دارالعلوم میں پہنچی تو ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ مولانا سمیع الحق مدظلہ کے سفر پر ہونے کی وجہ سے مولانا انوار الحق صاحب اور صاحبزادہ حامد الحق اور دارالعلوم کے اساتذہ نے وزیرستان میں ان کے گھر جا کر پسماندگان سے تعزیت کی ——— قارئین الحق سے بھی ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ الحق)

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ

سعودی عرب نے عراقی جارحیت کے مقابلہ میں شاندار اور تاریخی کردار ادا کیا ہے

کویت پر عراقی جارحیت کے پیش نظر رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام ۱۰، ۱۱، ۱۲، ستمبر کو مکہ مکرمہ میں تمام اسلامی ممالک کے ممتاز علماء کرام اور ملی رہنماؤں کا نمائندہ اجتماع منعقد ہوا جس میں چار سو سے زائد مندوبین نے شرکت کی حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ ان دنوں ملک میں انتخابات کے پیش نظر شدید مصروفیات کے باوجود رابطہ کی دعوت پر آخری اجلاس میں شریک ہوسکے اور اجلاس کی آخری نشست سے خطاب بھی فرمایا۔ ذیل میں آپ کی عربی تقریر کے بعض اقتباسات کا اردو ترجمہ نذر قارئین ہے ۔(ادارہ)

کویت پر عراقی حملہ ایک ہولناک واقعہ ہے عالم اسلام بالخصوص عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی خطرناک سازش ہے ۔عراقی جارحیت کے پیش نظر عالم اسلام کے مسلمانوں کی آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں اور جبین عرق آلود ہے ۔ کاش! آج ہم اس لئے جمع ہوئے ہوتے کہ یہودیوں سے بیت المقدس کو آزاد کرا لینے کا لائحہ عمل تیار کرتے، افغانستان کے جہاد کو آگے بڑھانے کا منصوبہ بناتے اور سپین کو صلیبیوں سے واگذار کرنے کے لئے باہمی مشاورت کرتے مگر بدقسمتی سے ہم ایسے معاملہ پر غور کررہے ہیں جو خود ہمارے اپنے جسم کا ناسور ہے اور جس نے ہماری وحدت کو انتشار میں تبدیل کردیا ہے ۔

کویت پر عراقی جارحیت کے بعد سعودی عرب سے چھیڑ چھاڑ اس بات کا غماز ہے کہ عراق ہوس الارض اور شوق حرب میں نہ تو اسلامی تعلیمات کا لحاظ رکھتا ہے اور نہ اخلاقی اقدار سے اسے واسطہ ہے۔ پوری دنیا، اقوام متحدہ، مسلم و غیر مسلم لیڈروں کی اپیلوں کے باوصف عراق کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ عراق مزید جارحیت پر تُلا ہوا ہے اور وہ حرمین کے تقدس کو پامال کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ حالانکہ سعودی حکومت نے ہمیشہ حرمین شریفین کی شاندار خدمات انجام دی ہیں جس کی گذشتہ صدیوں میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ مقامات مقدسہ میں

امن وسلامتی کی ضمانت اور اضیاف کی دیکھ بھال اور انہیں ہر طرح آرام پہنچانے میں سعودی حکومت کا ریکارڈ بڑا شاندار ہے۔ عالم اسلام بالخصوص آزادئ فلسطین، جہاد افغانستان، آزادئ کشمیر اور عالم اسلام کے اتحاد میں سعودی عرب نے ہمیشہ پہل کی ہے اور تاریخی کردار ادا کیا ہے۔

عراقی جارحیت کو کسی طرح بھی حق بجانب نہیں ٹھہرایا جا سکتا اس سے پورے علاقہ بلکہ عالم اسلام کو عظیم خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔

عالم اسلام اور پاکستان کے مسلمان عراقی جارحیت کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔

میرا ملک کویت سے عراقی فوجوں کی بلا قید و شرط واپسی کا مطالبہ کرتا ہے اگر عراق بضد رہا تو اس سے دشمنان اسلام کو، مسلمانوں کے خلاف، کام کرنے کا مزید سنہری موقع میسر ہوتا رہے گا۔ کویت اور سعودی عرب دونوں عراق کے دوست اور زبردست حامی رہے۔ اور مشکل حالات میں اس کی زبردست مالی امداد کرتے رہے۔ اپنے دوستوں، محسنوں اور کمزور پڑوسیوں کو ہڑپنا، تاریخ کی بدترین مثال ہے جس کا اخلاقی اقدار سے کوئی رشتہ نہیں۔

عراقی حکومت نے خود عراق میں علماء پر ظلم کئے۔ مدارس بند کئے ۵ لاکھ سے زائد علماء بیرون ملک ہجرت کر کے خدمت دین میں مصروف ہیں۔

سعودی عرب تنہا نہیں، تمام مسلمان اور دوست ممالک ان کے ساتھ ہیں۔ عراقی قیادت کا احمقانہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

خدا کرے کہ عراق عقل کے ناخن لے۔ خونریزی اور جنگ کے بغیر کویت میں حالات معمول پر آجائیں یہ اس صورت میں ہوگا جب عالم اسلام اور بین الاقوامی قراردادوں پر عمل کرتے ہوئے عراقی فوجیں کویت سے واپس چلی جائیں اور وہاں کی جائز اور قانونی حکومت بحال کر دی جائے۔

دنیا کا متفقہ اصول ہے کہ غلطی کی ابتدا کرنے والا اور بدی کی بنیاد رکھنے والا تمام نتائج کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے ہر طرح کی خرابی اور خطرات کی تمام تر ذمہ داری عراق کے صدام حسین پر ہی عائد ہوتی ہے۔

اس وقت تمام عالم اسلام کو اس نازک موقع پر ایک جان اور ایک زبان ہو کر سعودی عرب کی حمایت اور حرمین شریفین کی حفاظت کرنی چاہیئے۔

یہ وقت ایسا ہے کہ دنیا بھر کی اسلامی قیادت ہر طرح کے اختلافات اور اغراض و مفادات سے بلند و بالا ہو کر خالص دینی نقطۂ نظر سے اپنے فریضۂ منصبی کی تکمیل کے لئے باہمی اتحاد اور مثبت کردار کا ثبوت دے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

اسرائیلی جارحیّت

اور

اضطراب انگیز مشاہدات

دل کو ہلا دینے والی صورت حال اور اس کی پیچیدگی ، جس سے فی الواقعہ ، دماغ اضطراب انگیز مشاہدات سے لرزنے لگتا ہے ۔ اور اعصاب شل ہوتے جا رہے ہیں کیوں ؟ اس لئے کہ فلسطین ذبیح ہو رہا ہے ، گذشتہ ماہ ۸ اور ۱۲ اکتوبر کو اسرائیل نے یروشلم میں مسجد الاقصیٰ کی اسلامی حیثیت تبدیل کرنے کے لئے کچھ اقدامات کرنا چاہے تو مسلمانوں کا شدید ردعمل ہوا جس پر اسرائیلی افواج نے پچھلی ۲۳ سالہ تاریخ کی سب سے بڑی بربریت اور جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۲۸ فلسطینیوں کو شہید اور ہزاروں کو زخمی کر دیا یروشلم کی سڑکیں مسلمانوں کے خون سے سرخ ہو گئیں ۔

☆ اس لئے کہ نومبر میں جہاد افغانستان کو ۱۱ سال پورے ہو رہے ہیں مگر فتح کو شکست سے اور حقیقت کو ہار سے تبدیل کر دینے کی بدترین عالمی سازشیں عروج پر پہنچ چکی ہیں روس اور امریکہ آپس میں ہزاروں اختلافات کے باوجود افغانستان میں خالص اسلامی ریاست کی تشکیل اور جہاد افغانستان کی تکمیل پر سنگ گراں بن چکے ہیں

☆ اس لئے کہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوجیں مجاہدین کے خون سے ہولی کھیل رہی ہیں ، پوری دنیائے انسانیت کی لعنت وملامت کے باوصف ان کی سفاکی اور درندگی میں پسپائی کے بجائے مزید ترقی ہو رہی ہے ۔

☆ اس لئے کہ بابری مسجد اور شعائر اسلام کے تقدس کا تحفظ پورے عالم اسلام کے لئے چیلنج بن گیا ہے ۔

☆ اس لئے کہ صدام حسین نے اپنے محسن پڑوسی مگر کمزور ملک کویت پر جرم ضعیفی کے پیش نظر دھاوا ڈال کر مسلمانوں کی وحدت اور عالم اسلام میں اتحاد کی پیش رفت کی کامیاب کوششوں کو پارہ پارہ کر دیا اور دنیائے انسانیت کی ہزار نفرین و مذمت کے باوصف اس کے جوع الارض اور شوق حرب کو تا ہنوز کوئی تشفی حاصل نہ ہو سکی ۔

صرف ہم پاکستانی ہی نہیں اس وقت پوری دنیا کے وہ تمام افراد جو فہم و شعور کے پہلو سے خواہ عبقری اور جینیئس ہوں یا عرف عام میں دانشور اور صاحب عرفان ہوں ۔۔۔ اور یا اس کے یکسر بالعکس ان پڑھ متوسط بلکہ عام سطح سے بھی قدرے پست عقل و شعور رکھنے والے ان میں سے جس نے کلمہ توحید پڑھا وہ آج اسی اضطراب

اور یہاں بیوا ذہنی الجھن کا شکار ہے ۔ جس سے ہم نے گفتگو کا آغاز کیا ۔

بد قسمتی سے آنے والا ہر دن مسلمانوں کے لئے روز بدبن کر آتا ہے ابھی افغانستان میں روسی بربریت ، کویت پر عراقی جارحیت ، سعودی عرب میں امریکی فوجوں کی آمد ، کشمیر میں بھارتی بہیمیت ، بابری مسجد کا المیہ ، عربوں کی باہمی مناقشت اور عالم اسلام کی اضطراب انگیز باہمی منافرت ، ملت کے وجود پر رستے ہوئے ناسور تشنۂ علاج ہیں کہ اسرائیلی جارحیت پھر سے تازہ دم ہو کر میدانِ مبارزت میں کود آئی ہے اس تخیل اور اس پس منظر میں بعض اوقات تو سر شرم اور احساس ذلت کے بارے جھک جاتا ہے ۔ اپنے ہموطنوں بلکہ راہگیروں سے بھی آنکھیں ملانے میں شرم محسوس ہونے لگتی ہے ۔

آج یہودی اور امریکی فوجیں ، عالم عربی کے انتہائی اہم جغرافیائی اور فوجی مقامات پر ڈیرے ڈال چکی ہیں ۔ اسرائیلی فوجی بربریت اور مظالم پر آج ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل بے چین و بے قرار ہے ہر مسلمان کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی ہے اور ہر شخص اپنے کو تعزیت کا مستحق سمجھ رہا ہے ۔

آج پورا عالم اسلام حیرت زدہ اور انگشت بدنداں ہے اس کے ہوش و حواس اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو گئی ۔

موجودہ الم انگیز اور ذلت آمیز صورت حال نے عالم اسلام بالخصوص عربوں کی عزت پر بٹہ لگایا ہے ۔ جن کے شہسواروں کی ترک تازیوں کی کہانیاں پورے عالم میں ضرب المثل ہیں ـــــ ان تمام واقعات اور حقائق کا تجزیہ اور تخیل کے لئے قرآن مجید کے اس معجزانہ اور بلیغ اور جامع لفظ سے کوئی لفظ نہیں ملتا جس کو " خذلان " کہا گیا ہے ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ (آل عمران ـ ۱٦۰)	اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں اپنی مدد سے محروم کر دینے کا فیصلہ کرے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے اور اہل ایمان کو اللہ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا چاہئے ۔

ہمیں سوچنا چاہئے کہ یہ شرمناک صورت حال اور ساری دنیا کے سامنے رسوائی آخر کیوں ہوئی ۔ جب کہ افغانستان ، بابری مسجد ، کشمیر کے مسائل ، فلسطین اور مسجد اقصیٰ کا معاملہ حق و انصاف پر مبنی عقلی و منطقی ہر لحاظ سے جائز اور درست اور خالص اخلاقی تھا دونوں کے نزدیک ہر جائز و ناجائز [illegible] ہے ۔ دوسری

طرح اسرائیل ظلم اور جبر و غاصبانہ ذہنیت اور قومی تکبر کی بنیاد پر قائم ہوا ہے یہودی مغضوب علیہم اور ذلیل ترین مخلوق میں شمار ہوتے ہیں اور پھر اسرائیلی ریاست کے باشندے بھی تو کوئی ایک نسل اور ایک قوم نہیں بلکہ مختلف رنگوں اور قوموں کا مجموعہ اور بھان متی کا کنبہ ہے۔ جو دنیا کے مختلف حصوں سے یہاں آکر جمع ہو گئے پھر عرب ممالک نے ان کو اس طرح گھیر رکھا ہے جس طرح گلے کا ہار یا زنجیر ہوتی ہے۔ جب کہ ان کے بالمقابل اسرائیل کی حیثیت وہ ہے جو ایک متلاطم اور متواج سمندر میں ایک چھوٹے سے خاموش جزیرہ کی ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وضربت علیھم الذلۃ و المسکنۃ وباءو بغضب من اللہ (بقرہ)

ان پر ذلت و مقہوریت اور عاجزی و درماندگی کی چھاپ لگا دی گئی ؟ اور اللہ کا غضب انہوں نے اپنا لیا ہے

اسرائیل نام ہے، اس قوم، قوت اور حکومت کا جو ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک تمام اقوام عالم میں سب سے زیادہ ہمہ جہتی انسانی اور اخلاقی قدروں، بین الاقوامی فیصلوں اور شرافت کے تمام تر تصورات سے محروم ہی نہیں، بلکہ کائنات میں ان سب کی دشمن قوم ہے اور ان تمام اخلاق و اقدار کو پامال کر کے اپنی غنڈہ گردی، بد قماشی اور انسانیت کشی میں اپنی نظیر آپ ہے۔

اسرائیل۔ فلسطینیوں کو ان کے اپنے ملک سے نکال کر بلا ابہام یہ دعویٰ اور مقصد لے کر لبنان پر حملہ آور ہوتا رہا ہے کہ فلسطینیوں کی تمام نسل کو صفحہ ہستی سے نابود کر دینا ہے۔

" درندہ صفت " لفظ کے بڑے سے بڑے تصورات سے کہیں زیادہ بھیانک عمل کا پیکر۔ اسرائیل۔ امریکہ کا پالتو ہی نہیں بلکہ سراپا اس کی کٹھ پتلی ہے۔

بے گناہ اور نہتے مسلمانوں پر حالیہ اسرائیلی جارحیت ہیمنت بارہا کی بربریت اور تشدد کے بدترین مظاہر کے باوصف امریکہ کا عمل یہ رہا ہے کہ :۔

جب بھی عالم اقوام کی نمائندہ " سلامتی کونسل " اسرائیل کی ننگ انسانیت قوم کے خلاف کوئی قرارداد پاس کرنے کے لئے تیار ہوئی تو امریکہ نے اسے ویٹو کر کے ختم کر دیا۔

امریکی اسلحہ ڈھیروں ڈھیر تل ابیب پہنچتا رہا خواہ اس سے فلسطینیوں کے پرخچے اڑائے جائیں یا لبنانیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

بھاری بھرکم مادی امداد، ڈالروں، اشیاء اور وسائل جارحیت کی صورت میں لگاتار یہودیوں کو دئے جاتے رہے اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

مگر حیرت ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود امریکہ جمہوریت کا چیمپئن، انسانی آزادی کا امام، عدل وانصاف کا علمبردار بھی ہے اور تمام اقوام عالم کا چوہدری بننے پر مصر بھی،

گذشتہ اکتوبر میں اسرائیلی ننگی جارحیت کے باوصف امریکہ نے جو کردار ادا کیا غالباً وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہے کہ اس کی یہ چودھراہٹ سدا بہار رہے گی، وہ اسی طرح انسانیت کو سوت کی گھاٹ اتارتا بھی رہے گا اور اخلاق کا علمبردار بھی رہے گا۔

تاریخ عالم کی شہادت یہ ہے کہ منافقانہ طرز عمل جس کسی قوم نے مسلسل اختیار کیا اور طاقت کے گھمنڈ ڈپلومیسی یا شیطانی ذہانت کے نشے میں وہ مست ہی ہوتا ہے کہ آسمان سے اس کے خلاف فرد جرم عائد ہو جاتی ہے

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ (قصص ۴)

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ فرعون (ہر زمانے کا فرعون) زمین پر برتری کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا تھا اور اس کا معمول یہ بن گیا تھا کہ دنیا میں کم از کم اپنے ملک میں بسنے والے انسانوں کو طبقاتی گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر دینا اور ان میں کسی طبقے اور پارٹی کو کمزور اور دوسری کو طاقتور کر دینا وہ اس کمزور قوم کے بیٹوں کو ذبح کرتا عورتوں کو (اپنی ہوس اور خدمت کے لیے) زندہ چھوڑ دیتا۔ لاریب! وہ زمین میں فساد کرنے والوں میں شمار کر لیا گیا

اور جب اسے مفسدین کے ٹولے میں شامل قرار دے دیا گیا تو فیصلہ صادر ہوا کہ

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (قصص ۶)

اور ہم نے طے کر لیا کہ جنہیں کمزور اور زیر دست کر لیا گیا ہے ان پر اپنے کرم کی بارش نازل کریں انہیں قیادت و سربراہی کا تاج پہنائیں زمین اور ملک پر ان کا اقتدار قائم کریں اور فرعون وہامان کو وہ سب کچھ ان کی آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیں جس کے خوف سے وہ لرزا کرتے

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

از مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور

اسلامی بینک کاری

اور

بیع مُرابحہ

تمہید: اسلامی شریعت کی رو سے تجارت کی جو جائز شکلیں ہیں ان میں سے ایک "مرابحہ" بھی ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کی اصل لاگت یعنی راس المال سے کچھ زیادہ نفع مقرر کرکے فروخت کرنا" چنانچہ بیع مرابحہ کی تعریف علامہ ابن نجیم نے "صحاح" کے حوالے سے اس طرح کی ہے۔

والمرابحة في اللغة كما في الصحاح يقال اذا بعته المتاع واشتريته منه مرابحة اذا سميت لكل قدر من الثمن ربحاً (البحر الرائق ۶/۱۱۷ - مطبوعہ کراچی)

اس اعتبار سے مرابحہ کسی چیز کو اصل قیمت سے کچھ زائد نفع کے ساتھ فروخت کرنے کا نام ہے۔ بیع مرابحہ کی تفصیلی بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اسلامی شریعت میں بیع کی جو دوسری شکلیں موجود ہیں۔ ان کی بھی مختصر وضاحت کر دی جائے تاکہ مرابحہ کی صحیح نوعیت سمجھنے میں آسانی رہے اور یہ موازنہ اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ اگلے صفحات میں مرابحہ کے ذیل میں جو مسائل زیر بحث آرہے ہیں ان میں سے بعض مرابحہ کے دائرہ سے نکل کر دوسرے دائروں میں جا سکتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں سود (ربا) کی بحث بھی آجاتی ہے کیونکہ موجودہ طریقہ بینکنگ سے سود کا بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ بلکہ موجودہ بینک کاری کی پوری بنیاد سود ہی پر ہے۔ لہذا موجودہ بینک کاری اور اس کے طریقوں سے بحث کرتے ہوئے سود اور سودی مسائل سے دامن بچانا بہت مشکل ہے۔ اور اس سیمینار کے لئے جو سوالنامہ جاری کیا گیا ہے اس میں بھی اس پہلو کی طرف اشارہ موجود ہے کہ یہ صورت بیع مرابحہ کے تحت جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس لئے ان مسائل پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

بیع کی قسمیں اسلامی شریعت کی رو سے خرید و فروخت (بیع) میں بطور بدل یا قیمت (ثمن) جو چیز دی جاتی ہے۔ اس کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں۔ اور اسی طرح تجارتی نفع و نقصان

کے اعتبار سے بھی اس کی مزید چار قسمیں ہیں۔ چنانچہ ان دونوں کی مختصر تشریح اس طرح ہے۔

۱۔ ایک چیز کے عوض میں دوسری چیز فروخت کرنا۔ مثلاً اسکوٹر کے عوض فریج یا کوئی چیز فروخت کر دینا اسے بیع المقایضہ یا بارٹر کہتے ہیں۔

۲۔ کسی چیز کو روپیہ پیسہ یا ڈالر کے عوض فروخت کرنا اسے بیع المطلق یا بالاثمان المطلقہ کہتے ہیں۔

۳۔ سونے چاندی یا کرنسی کا تبادلہ۔ اس کا نام بیع الصرف ہے۔

۴۔ کسی معاہدہ کے تحت پہلے روپیہ ادا کر کے کوئی متعین چیز مقررہ مدت کے بعد حاصل کرنا۔ اسے بیع السلم کہا جاتا ہے۔

(ماخوذ از بدائع الصنائع ۵/۱۳۴ مطبوعہ پاکستان۔ فتح القدیر ۵/۲۵۵ مطبوعہ پاکستان)

اور قسم دوم کی چار قسمیں یہ ہیں :۔

۱۔ فروخت کی جانے والی چیز (مبیع) کا تبادلہ بازاری قیمت سے کم و بیش یا کسی بھی قیمت پر کر لیا جائے اسے "بیع مساومہ" کہا جاتا ہے۔

۲۔ فروخت کرنے والی چیز (مبیع) کو ثمن اول (بائع کی خریدی ہوئی قیمت) پر کچھ زیادہ نفع دے کر خریدنا اسے "بیع مرابحہ" کہتے ہیں۔ اور زیر بحث مضمون کا تعلق اسی سے ہے۔

۳۔ کسی چیز کو بغیر کسی نفع یا نقصان کے "ثمن اول" پر خریدنا یا فروخت کرنا اس کا نام "بیع تولیہ" ہے۔

۴۔ کسی چیز کی اصل قیمت میں کمی کر کے بیچنا۔ اسے "بیع وضیعہ" کہا جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع ۵/۱۳۵)

مرابحہ کے بنیادی اصول بیع مرابحہ کے صحیح ہونے کے لئے چند بنیادی شرائط موجود ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ غالباً دور قدیم ہی سے مرابحہ اور تولیہ کا جواز ایک تمدنی و معاشرتی ضرورت کے طور پر رہا ہے۔ کیونکہ تجارت میں ایک غبی یا کم عقل شخص اپنی سادہ لوحی کے باعث دھوکہ کھا سکتا ہے لہذا اسے اپنی ضروریات کی اشیاء خریدنے کے لئے ایک ہوشیار اور تجربہ کار شخص پر اعتماد کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ اس اصول کی تشریح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں :۔

والبیعان جائزان لاستجماع شرائط الجواز۔ والحاجة ماسة الی هذا النوع من البیع۔ لأن الغبی الذی لا یهتدی فی التجارة یحتاج الی أن یعتمد فعل الذکی المهتدی (هدایہ آخرین ص ۵۵۔ مطبوعہ دھلی)

اس اعتبار سے بیع مرابحہ کی بنیاد امانت داری پر ہے۔ لہذا اسے ہر قسم کی خیانت اور شبہ سے پاک ہونا ضروری ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ اس سلسلے میں مزید تحریر کرتے ہیں۔

ولهذا كان مبناهما على الأمانة والاحتراز عن الخيانة وعن شبهتها (ايضاً ۵۵)

مُرابحہ کے صحیح ہونے کا سب سے پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ فروخت کرنے والا (بائع) خریدنے والے (مشتری) کو بیچی جا رہی شے کی صحیح قیمت بتائے۔ اور اس میں خریدار کے ساتھ کسی قسم کا دھوکا یا خیانت نہ کرے۔ ورنہ خریدار کو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق اختیار ہوگا کہ وہ یا تو طے شدہ پوری قیمت ادا کر کے اس بیع کو قبول کرے یا اسے کالعدم (فسخ) کر دے۔ مگر امام ابو یوسفؒ اور قاضی ابن ابی لیلیٰ کے قول کے مطابق اضافہ شدہ رقم بائع کے نفع میں ساقط کی جائے گی اور مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ جیسا کہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے تصریح کی ہے۔

وإذا باع المتاع مرابحة فخانه فيه. فالمشتري بالخيار إذا اطلع عليه، إن شاء أخذه بجميع الثمن وإن شاء ترك. وإن استهلك المتاع أو بعضه فالثمن كله لازم له، في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله. وقال أبو يوسف وابن أبي ليلى رحمهما الله يحط عنه الخيانة وحصتها من الربح على كل حال والاخيار له في ذلك (المبسوط السرخسي ۱۳/۸۶ مطبوعہ کراچی)

اب اس سلسلے میں دوسرا اصول یہ ہے کہ فروخت کنندہ (بائع) بیچی جا رہی چیز اگر ادھار (نسیئہ) خریدی ہے تو اسے خریدار کو حقیقت حال سے واقف کرائے بغیر بطور مرابحہ نقد فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بات امانت داری کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس صورت میں خریدار کو خریداری (بیع) فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ ادھار خریدی ہوئی چیز نقد خریدی ہوئی چیز سے عموماً مہنگی ہوتی ہے۔ چنانچہ امام سرخسی اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:-

وإذا اشترى شيئاً بنسيئة فليس له أن يبيعه مرابحة حتى يتبين أنه اشتراه بنسيئة۔ لأن بيع المرابحة بيع امانة تنفي عن كل تهمة ..... ثم الانسان في العادة يشتري الشيء بالنسيئة بأكثر مما يشتري بالنقد (المبسوط السرخسي ۱۳/۷۸)

اور صاحب ہدایہ تحریر کرتے ہیں:-

ومن اشترى غلاماً بألف درهم نسيئة فباعه بربح مائة ولم يبين. فعلم المشتري، فإن شاء ردّه وإن شاء قبل، لأن للأجل شبهاً بالمبيع. الا يرى انه يزاد في الثمن لاجل الأجل۔ (هدايه أخيرين ص ۵۷۔۵۸)

اس سلسلے میں تیسرا اصول یہ ہے کہ بائع اصل اگر قیمت میں کمی کرے تو [illegible]

کمی کرنی پڑے گی۔ جیسا کہ امام سرخسی تحریر کرتے ہیں :۔

واذا باع المتاع مرابحة ثم حط البائع الاول منه شيئاً من الثمن فانه يحط ذلك

من المشتري الآخر وحصة من الربح (المبسوط ۱۳/۸۲)

اس وضاحت سے زیر بحث مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ کہ کسی تھوک فروش (WHOLE SELLER)

سے مسلسل رابطہ رکھنے کی صورت میں جو کمیشن یا ڈسکاؤنٹ وغیرہ ملتا ہے وہ اس اصول کے مطابق بائع

کو اصل قیمت میں وضع کر کے دکھانا ہو گا۔ ورنہ بیع مرابحہ کی صورت میں یہ خیانت ہو گی۔ کیونکہ اس میں بائع

اپنا نفع الگ سے لیتا ہے۔

بیع مرابحہ میں بیچی جا رہی چیزوں کی قیمتوں میں ضمنی اخراجات جوڑے جا سکتے ہیں۔ مثلاً دھوبی، رنگریزی

اور کڑھائی کا معاوضہ۔ مزدور کی اجرت (کرایہ) نقل وحمل (ٹرانسپورٹ) کے اخراجات اور ایجنٹ کا کمیشن

(اجرت السمسار) وغیرہ۔ لیکن اس صورت میں فروخت کرنے والا یہ نہیں کہے گا کہ میں نے اس کو اتنے میں

خریدا ہے۔ بلکہ یوں کہے گا کہ اس چیز پر اتنی لاگت آئی ہے۔

(خلاصہ از المبسوط ۱۳/۸۰۔ درمختار حاشیہ ردالمختار ۴/۱۷۲۔ ہدایہ مع فتح القدیر ۶/۱۲۵۔

البحر الرائق ۶/ ۱۰۹-۱۱۰)

اور شمس الائمہ سرخسی نے ایک عام اصول یہ بھی تحریر کیا ہے کہ مرابحہ میں ضمنی اخراجات کے سلسلے میں

تاجروں کے عرف (رواج) کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی فروخت کی جا رہی چیز کی قیمت (راس المال) میں کون کون

سے اخراجات شامل ہو سکتے ہیں اس کا اعتبار تاجروں کے عرف ورواج پر ہو گا۔

وهذا لان عرف التجار معتبر في بيع المرابحة - فما جرى العرف بالحاقه براس المال

يكون له أن يلحقه به وما لا فلا (المبسوط ۱۳/۸۰)

بیع مرابحہ اور جدید بینکاری بیع مرابحہ پر یہ ایک اجمالی نظر تھی۔ اس بحث سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اسلام

میں مرابحہ کی حقیقت کیا ہے۔ اور اس کے اصول ومبادی کیا ہیں۔ اب رہا مرابحہ کو بینک کاری یا اسلامی بینکنگ

سے جوڑنے کا مسئلہ تو یہ ایک نئی شکل اور نئی صورت حال ہے۔ اور اسلامی بینک کاری کے نام سے مرابحہ اس

وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ وہ ایک طرف اسلام کے بیان کردہ سودی طریقوں سے پاک ہو۔ اور دوسری طرف

مرابحہ کے بنیادی اصولوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔

واضح رہے زیر بحث مسائل میں مرابحہ اور بینک کاری دو الگ چیزیں ہیں۔ اور بیع مرابحہ بعض صورتوں میں

"بیع مساومہ" بن سکتی ہے۔ جس کی تعریف اوپر گذر چکی ہے۔ چنانچہ زیر بحث مسائل میں ایک مسئلہ ادھار

خرید و فروخت کا بھی ہے۔ اور ادہار کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یک مشت ادائیگی یا بالاقساط ادائیگی۔ بہرحال دو صورت فروخت کرنے والا آج کے نرخ کے مقابلے میں قیمت زیادہ رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مدت ادائیگی کی کمی اور زیادتی کے مطابق مقررہ منافع میں بھی کمی اور زیادتی کی جاتی ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بائع اس ادہار بیع میں تاجیل (مہلت دینے) کی قیمت وصول کر رہا ہے۔

اس صورت حال کو مرابحہ کہنے کے بجائے شاید مُساومہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ جس میں قیمتوں کی کمی بیشی کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ اس کی مزید وضاحت آگے آرہی ہے۔ اب جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ادہار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کرنے کی بہ نسبت قیمت زیادہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ تو اس سلسلے میں ایک عام اصول یہ ہے کہ خرید و فروخت نقدا نقد بھی ہو سکتی ہے، اور ادہار بھی۔ جب کہ ادائیگی کی مدت مقرر ہو۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے قرآن کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :۔

ویجوز البیع بثمنٍ حالٍ ومؤجّلٍ اذا کان الاجل معلوماً، لاطلاق قوله تعالٰی :

واحل الله البیع (هدایه معفتح القدیر ۵/۴۶۸، مطبوعه پاکستان)

چونکہ بیع کا اطلاق نقد اور ادہار دونوں صورتوں پر ہو سکتا ہے اس لئے یہ دونوں صورتیں جائز ہیں جب تک کہ فقہی نقطہ نظر سے اس میں ربا کی صورت پیدا نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک فقہی ضابطہ یہ ہے کہ جس بیع میں جنس اور قدر دونوں مختلف ہوں ان میں زیادتی (تفاضل) اور ادہار (نسیئہ) دونوں جائز ہیں۔ خصوصاً جب کہ کوئی چیز روپیہ (ثمن مطلق) کے ذریعہ خریدی جائے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں کہ نقدی اور سامان کے تبادلے میں سود نہیں ہوتا۔

ولا ربا بین الاثمان والعروض (المغنی ۴/۱۹۴ مطبوعه ریاض)

نیز موصوف نے مزید تحریر کیا ہے کہ کسی چیز کو ادہار فروخت کرنا بالاتفاق ناجائز نہیں ہے۔

البیع بنسیئة لیس بمحرم اتفاقاً (ایضاً ۴-۱۹۵)

غالباً یہی وجہ ہے کہ فقہا نے صراحت کی ہے کہ ادہار بیع میں قیمتیں عموماً زیادہ لی جاتی ہیں مگر کسی نے اسے ناجائز نہیں کہا۔ چنانچہ شمس الائمہ سرخسی تحریر کرتے ہیں :۔

ثم الانسان فی العادة یشتری الشئی بالنسیئة باکثر مما یشتری بالنقد (المبسوط ۱۳/۸۰)

اور صاحب ہدایہ تحریر کرتے ہیں :۔

ألا یریٰ أنه یزداد فی الثمن لأجل الاجل (هدایه مع فتح القدیر ۶/۱۳۳)

اور امام مالک کے نزدیک نقد قیمت مقرر کرنے کے بعد کچھ بھی اضافہ کے ساتھ ادائیگی کے لئے مدت

مقرر کرنا جائز ہے جیسا مالکی عالم امام سحنون سے مروی ہے۔

قلت: أرأيت ان اشتريت سلعة بعشرة دراهم نقداً، ثم أخرني البائع بالدراهم سنة

فأردت ان ابيع مرابحة كيف ابيع في قول مالك (المدونة الكبرى ۴/ ۲۳۰ مطبوعہ مصر)

اس اعتبار سے ادھار فروخت میں زائد قیمت وصول کرنا ایک ایسا رواج ہے جو دور قدیم سے چلا آرہا ہے مگر پھر بھی اس مسئلے کے کچھ نشیب و فراز ہیں۔ اور بعض متعین صورتوں کی ممانعت بھی ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اگلے مباحث میں آئے گا۔

موجودہ دور میں بنک کاری کا جو عمومی ضابطہ پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ بنک کوئی چیز خرید کر گاہک (مشتری) کو دیتا ہے۔ اور پھر اس کا متعین سود قسط وار وصول کرتا ہے۔ یا بنک کی ہدایت پر خریدار کوئی چیز خود خرید لیتا ہے۔ اور اس کا بل بنک ادا کر کے متعین شرح سود کے ساتھ اسے مقررہ مدت میں وصول کرتا ہے۔ اب اگر کوئی اسلامی بنک اسلامی اصولوں کے تحت مرابحہ کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صارفین کا بل ادا کر کے سود وصول کرنے کے بجائے مطلوبہ اشیاء خود خرید کر مرابحہ کے اصولوں کے مطابق اس میں اپنا کمیشن شامل کر کے صارفین کو دے۔ اس طرح کمیشن کے نام سے شاید کچھ زیادہ وصول کرنے کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے ادھار دینے میں سال دو سال کے بعد مالیت (VALUE) کی کمی کا خطرہ بھی کسی حد تک ٹل سکتا ہے۔ مگر ہاں ایک مرتبہ کسی چیز کی قیمت مقرر کر دینے کے بعد مقررہ مدت کے بعد کسی وجہ سے عدم ادائیگی کے باعث پھر دوبارہ قیمت بڑھانا یا راس المال میں اضافہ کرنا سود بن جائے گا اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

نیز اس سلسلے میں کمیشن کی شرح اتنی زیادہ بڑھا دینا کہ اس کے نتیجے میں اشیاء کی قیمت مجموعی اعتبار سے اتنی ہو جائے جتنی کہ عام طور پر غیر اسلامی بنک سود کے نام سے وصول کرتے ہیں۔ اسلامی بنک کاری کے نام سے شاید جائز نہ ہو۔ اگرچہ شرعی اعتبار سے اس میں کوئی قباحت نظر نہ آئے۔ کیونکہ اس سے عوام میں اسلامی بنک کاری کا تصور بگڑ جائے گا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ مجموعی اعتبار سے سودی کاروبار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہذا جو بنک اسلام کے نام پر قائم ہوں انہیں اس میدان میں ایک اچھا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ اگرچہ اس راہ میں تھوڑا سا مالی خسارہ برداشت کرنا پڑے۔

بیع مرابحہ میں ایک عام اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اتنی گراں قیمت پر خریدے کہ عام طور پر لوگ اس میں دھوکا نہیں کھاتے تو اس میں بغیر صراحت کے مرابحہ کرنا جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ امام سرخسیؒ تحریر کرتے ہیں:۔

اذا اشتری شیئًا باکثر من ثمنہ مما لایتغابن الناس فی مثلہ وھو یعلم ذلک

فلیس لہ أن یبیعہ مرابحۃ من غیر بیان (المبسوط: ۹۰/۱۳)

یہ اصول جس طرح خریدنے کے سلسلے میں عائد ہوتا ہے اسی طرح شاید فروخت کرنے والے پر بھی عائد ہو سکے گا۔ کہ وہ بھی اشیاء کو اتنی گراں قیمت پر فروخت نہ کرے جس کی وجہ سے اشیاء کی قیمتیں بازار کی قیمتوں سے بہت زیادہ معلوم ہوتی ہوں۔

اس سلسلے میں مالیاتی ادارہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اشیاء کی اصل اور صحیح قیمت (ہر قسم کے کمیشن اور ڈسکاؤنٹ وغیرہ کو منہا کر کے) مشتری کو بتائے۔ پھر اس میں اپنا مقررہ کمیشن یا تجارتی نفع (ربح) جوڑے۔ اگر کوئی ادارہ اشیاء کی اصل قیمت بتائے بغیر معاملہ کرے گا تو وہ بیع مرابحہ نہیں بلکہ بیع مساومہ بن جائے گی۔

غیر مملوکہ اشیاء کی فروخت اب یہ مسئلہ کہ مالیاتی اداروں کے پاس چونکہ اپنی کوئی دکان یا گودام نہیں ہوتا اس لئے وہ معاملہ طے ہونے کے بعد مطلوبہ سامان کھلے بازار سے خرید کر صارفین کے حوالے کرتے ہیں تو یہ صورت "غیر مملوکہ اشیاء کی بیع" یا "بیع معدوم" ہونے کی وجہ سے آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے اور فقہاء کا اختلاف بھی چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک منقولی (MOVABLE) چیزوں میں "بیع معدوم" (یعنی اس چیز کی بیع جو اپنی ملکیت میں موجود نہ ہو یا جس میں کوئی خطرہ موجود ہو) جائز نہیں ہے۔ البتہ ان دونوں کے نزدیک غیر منقولی (IMMOVBLE) چیزوں میں اس قسم کی بیع ہو سکتی ہے۔ مگر امام محمدؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے کوئی بھی جائز نہیں ہے (ہدایہ ص ۵۸)

امام مالکؒ کے نزدیک غیر مملوکہ اشیاء کی بیع صرف غلے میں ناجائز اور بقیہ تمام چیزوں میں جائز ہے جیسا کہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے امام مالکؒ کے مسلک کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:۔

کل ما اشتریت من العروض کلھا الحیوان والعقار والثیاب وغیر ذلک ما خلا المبیع من الطعام علی الکیل فلا بأس عند مالک أن تبیع ذلک کلہ قبل أن تقبضہ۔ فان بعتہ من ما بائعہ منک بغیر الذی لہ علیک من ثمنہ جاز بجمیع الاشیاء کلھا، اذا انعجلت ذلک ولم توخرہ (کتاب الکافی فی فقہ اھل المدینۃ المالکی: ۲/۶۲ مطبوعہ مصر)

اس کا حاصل یہ کہ امام مالکؒ کے نزدیک ناپے جانے والے اناج کے سوا بقیہ تمام چیزوں (کپڑے،

حیوانات اور جائیداد وغیرہ) کی بیع قبضہ کرنے سے پہلے جائز ہے مگر اس میں عجلت کرنی چاہئے۔ اور تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ امام مالکؒ کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی وہ حدیث ہے جسے انہوں نے اپنی مؤطا میں روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی اناج خریدا تو وہ اسے فروخت نہ کرے جب تک کہ وہ اس پر پوری طرح قابض نہ ہو جائے۔

عن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ابتاع طعاماً فلا یبیعہ حتی یستوفیہ (موطا امام مالک کتاب البیوع ۲/۶۴۰ مطبوعہ بیروت)

اس سلسلے میں فقہائے احناف کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے مسلک کی بنیاد جس حدیث پر رکھی ہے وہ ایک خاص حکم سے متعلق ہے۔ جب کہ اس سلسلے میں دیگر عمومی حدیثیں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی جس روایت سے استدلال کیا ہے وہی روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ جسے ایک عام ضابطہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں غلے کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

عن ابن عباس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ابتاع طعاماً فلا یبیعہ حتی یستوفیہ۔ قال ابن عباس ولا أحسبُ کل شیٔ الا مثلہ (بخاری کتاب البیوع ۳/۲۳ مطبوعہ استنبول، مسلم بیوع ۳/۱۵۹۔ ریاض)

نیز ابو داؤد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا جس پر ابھی قبضہ نہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ اس کی تخریج امام زیلعیؒ نے اس طرح کی ہے۔

روی أنہ علیہ السلام نہی عن بیع مالم یقبض (نصب الرایہ ۴/۳۲ دابھیل)

سنن نسائی میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو جو مکتوب بھیجا تھا وہ اس طرح تھا۔

لا یجوز شرطان فی بیعٍ واحد۔ ولا بیعٌ وسلفٌ۔ ولا بیع مالم یضمن

یعنی ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں۔ بیع اور سلف (سلم) دونوں بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے اور وہ چیز قابل فروخت نہیں جو ضمان میں نہ ہو۔ یعنی جو ابھی قبضہ میں نہ ہو (منقول از نصب الرایہ ۴/۱۹)

اس حدیث کی شرح امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں اس طرح کی ہے کہ:۔

سلف اور بیع دونوں کو جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کوئی یوں کہے کہ میں اپنا یہ غلام اتنے میں بیچنے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ تم مجھے اتنا روپیہ ادھار (مزید) دے دو۔

ایک بیع میں دو شرطیں نافذ کرنا یہ ہے :
مثلاً کوئی یوں کہے کہ میں اس چیز کو نقد ایک ہزار میں فروخت کروں گا۔ لیکن ادھار دو ہزار میں دوں گا
اب رہا معاملہ اس چیز سے نفع اندوزی کا جو اس کے ضمان میں نہ ہو۔ تو یہ بات کسی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے
اسے نفع کے ساتھ فروخت کرنا ہے۔ (ملاحظہ ہو نصب الرایہ ۴/۱۹)
نیز ایک اور حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی چیز فروخت کرنے سے منع
فرمایا جو انسان کے پاس موجود نہیں ہے۔ اور بیع سلم کے بارے میں رخصت عطا فرمائی :

نهى عن بيع ماليس عند الانسان، ورخّص في السَّلَم (نصب الرایہ ۴/۴۵)

اور دوسری دلیل عقلی ہے۔ کہ بغیر قبضہ کے کسی چیز کو فروخت کرنے میں اس چیز کے ضائع ہو جانے کی وجہ
سے بیع فسخ ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ اسی بنا پر اسے " بیع غرر " بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی بیع جس میں
کسی قسم کا خطرہ موجود ہو۔

لأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك (ہدایہ ص۵۸، بدائع ۵/۱۸۰)

نیز اس میں یہ صورت بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کسی چیز کا خود مالک بننے سے پہلے دوسرے کو مالک بنا رہا ہے
لہذا یہ صورت جائز نہیں ہے جیسا کہ امام سرخسی تحریر کرتے ہیں :-

ومن اشترى شيئاً فلا يجوز له أن يبيعه قبل أن يقبضه ولا يوليه أحداً ولا
يشرك فيه۔ لأن التولية تمليك ما ملك بمثل ما ملك (المبسوط ۱۳/۸)

مگر اس ضابطہ کے تحت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے غیر منقولی چیزوں یعنی مکان اور زمین وغیرہ
کا استثناء کیا ہے۔ کیونکہ جائیداد میں اتلاف شاذ و نادر ہی ہوتا ہے بخلاف منقولی چیزوں کے۔

لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول (ہدایہ ص۵۸)

مگر امام محمدؒ کے نزدیک حدیث کے الفاظ چونکہ عام ہیں اس لئے اس کا حکم بھی عام ہے۔ اور یہ دلیل بہت
قوی معلوم ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق امام ابو یوسف کا مسلک
بھی یہی ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح القدیر شرح ہدایہ ۶/۱۳۷)
چنانچہ امام شافعیؒ نے کتاب " الام " میں حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کرتے ہوئے
صراحت کی ہے۔ کہ جس شخص نے کوئی بھی چیز خریدی تو اسے قبضہ کئے بغیر اسے بیچنا جائز نہیں ہے۔

قال الشافعي وبهذا نأخذ۔ فمن ابتاع شيئاً كائناً ما كان، فليس له أن يبيعه
حتى يقبضه (الأم ۳/۶۹، ۷۰، دار المعرفة بيروت)

حاصل یہ کہ فقہا کا رجحان زیادہ تر اس طرف ہے کہ وہ چیزیں جو اپنی ملکیت میں موجود نہ ہوں ان پر قبضہ کئے بغیر انہیں فروخت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سلسلے میں مختلف قسم کے خطرات اور جھگڑوں کا اندیشہ رہتا ہے۔ جو فتنہ و فساد کا باعث ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ دور میں ٹیلیفون وغیرہ پر جو خرید و فروخت ہوتی ہے اور ایک تاجر دوسرے تاجر سے قیمت طے کر کے تیسرے تاجر کو قبضہ کئے بغیر فروخت کر دیتا ہے وہ جائز نہیں اسی طرح ان چیزوں کی بیع بھی صحیح نہیں ہو سکتی جن کا فی الحال کوئی وجود ہی نہ ہو۔ جیسے حاملہ جانور کے بچے یا اس کے بچے کے بچے کی بیع کرنا وغیرہ۔ بہرحال فقہ حنفی کا ایک عمومی ضابطہ اس سلسلے میں وہ ہے جسے امام کاسانیؒ اور علامہ ابن نجیمؒ نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ اول الذکر تحریر کرتے ہیں۔

أن يكون (المعقود عليه) موجوداً فلا ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كبيع نتاج النتاج، بأن قال بعت ولد ولد هذه الناقة (بدائع والصنائع ۵/۱۳۸)

اور صاحب البحر الرائق تحریر کرتے ہیں :-

وأن يكون مقدور التسليم، فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر، كنتاج النتاج والحمل واللبن في الضرع والثمر والزرع قبل الظهور الخ (البحر الرائق ۵/۲۵۹)

اب رہا یہ سوال کہ معاہدہ بیع کے وقت جب شئے مطلوبہ بائع کے پاس موجود نہ ہوگی تو بیع نامہ کی شکل کیا ہوگی؟ آیا یہ معاہدہ بیع ہے یا صرف وعدۂ بیع؟ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ مذکورہ بالا شرعی ضابطہ کی رو سے معاہدہ بیع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسے وعدۂ بیع قرار دینا ہوگا۔ اور چونکہ بازار کا نرخ عموماً گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اس لئے اس صورت میں اس معاہدہ کو پورا کرنے کی قانونی شکل یہ ہو گی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بیع کے بعد بازار میں خریدی کے وقت شئے مطلوب کی جو قیمت ہو اسی کے مطابق قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ اور یہ بات طرفین کی سلامتی کا باعث ہوگی اور اس میں کسی کا بھی نقصان نہیں ہوگا۔

سود کی ایک عام شکل اب رہا یہ مسئلہ کہ مالیاتی ادارے اور صارف کے درمیان معاہدہ طے ہو جانے کے بعد آیا ادارہ خود صارف سے اس کی مطلوبہ شئے خریدوا سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی مطلوبہ شئے کی قیمت صارف کو دے کر یہ کہہ دے کہ وہ خود مارکیٹ سے اپنی چیز خرید لے۔ اور پھر مقررہ مدت تک ادارہ کو منافع کے ساتھ قسط وار ادا کرتا رہے۔ تو یہ صورت جائز نہیں بلکہ اسی کا نام شریعت میں سود ہے۔ اور موجودہ دور کے سودی بنکوں کا تمام کاروبار اسی اصول کے مطابق ہے۔ کہ وہ ضرورت مندوں کو مقررہ مدت تک کے لئے قرض روپیہ دیتے ہیں۔ اور اس پر زائد روپیہ منافع (انٹرسٹ) کے نام سے وصول کرتے ہیں۔ اسلام میں اسی کا نام ربا (سود) ہے۔ یعنی وہ چیز جو اصل سے زائد اور بغیر کسی عوض کے ہو اور نزول قرآن کے وقت اہل عرب

کے ہاں جو رواج تھا اس کی صورت حال بھی یہی تھی چنانچہ اس موقع پر اسلام میں ربا کی حقیقت اور اس کے بعض ضوابط بھی پیش نظر رہنے چاہئیں ۔ تاکہ اس سلسلے کے تمام شبہات دور ہو جائیں ۔

قاضی ابن العربی مالکیؒ تحریر کرتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے ربا کی اصل زیادتی ہے ۔

والربا فی اللغة هو الزیادة (احکام القرآن ۱/۲۴۲ مطبوعہ بیروت)

اور موصوف مزید تحریر کرتے ہیں کہ آیت قرآنی (البقرہ ۲۷۵) میں ربا سے مراد ہر وہ زیادتی ہے جو بغیر کسی عوض کے ہو ۔ والمراد به فی الآیة کل زیادة لم یقابلها عوض (ایضاً)

واضح رہے کہ ربا (سود) عموماً ادھار معاملات میں ہوتا ہے ۔ جیساکہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ۔

انّما الرّبا فی النسیئة (بخاری کتاب البیوع ۳/۳۱ - استنبول - مسلم کتاب المساقاة ۳/۱۲۱۸ مطبوعہ ریاض)

علامہ جصاص رازیؒ تحریر کرتے ہیں کہ ربا کی جو صورت اہل عرب کے ہاں جو رائج تھی وہ یہ تھی کہ وہ روپیہ (درہم یا دینار) ایک مدت تک کچھ زیادتی کے ساتھ بطور قرض دیتے تھے جو باہم رضامندی سے طے ہوتا تھا اور ان کے ہاں نقد (بیع صرف) کا رواج نہیں تھا ۔ اسی بنا پر کہا گیا : ۔

وما آتیتم من رّباً لیربو فی اموال الناس فلا یربو عند الله (روم ۳۹)

یعنی جو کچھ تم سود کے طور پر دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے ۔ تو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا ۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مشروط زیادتی ربا (سود) ہے ۔ کیونکہ وہ بغیر کسی عوض کے ہے ۔ نیز اس سلسلے میں مزید ارشاد ہے ۔

یا ایها الذین آمنوا لا تاکلوا الرّبوا اضعافاً مضاعفةً (آل عمران ۱۳۰)

اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ ۔ (احکام القرآن ۱/۴۶۵ مطبوعہ بیروت)

چنانچہ امام مالک نے اپنی موطا میں ایک حدیث روایت کی ہے جس سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سود کا ضابطہ یہ تھا کہ ایک شخص کا روپیہ دوسرے شخص پر ایک مقررہ مدت کے لئے ہوتا اور جب مدت پوری ہو جاتی تو قرض خواہ قرضدار سے کہتا کہ تم میرا قرضہ ادا کرو گے یا کچھ بڑھاؤ گے ؟ اگر وہ قرضہ ادا کر دیتا تو وہ اسے لے لیتا ۔ ورنہ اصل مال میں کچھ زیادتی کر کے اسے مزید مہلت دے دیتا ۔

عن زید بن اسلم انه قال : کان الربا فی الجاهلیة ان یکون لاجل علی الرجل الحق

الی أجل۔ فاذا حل الاجل قال أتقضی أم تربی؟ فان قضی أخذ والا زاده فی حقہ وأخر عنہ فی الاجل (الموطا - ۲/۲-۶۷۲-۶۷۳، بیروت)

علامہ ابن تیمیہؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ حکم اہل ثقیف کے بارے میں نازل ہوا ہے جن کے ہاں اس کا رواج تھا۔ اور موصوف نے مزید تصریح کی ہے کہ امت کے علمائے سلف کا اس پہ اتفاق ہے کہ سود (ربا) کی یہی وہ شکل تھی جس کے بارے میں قرآن کا حکم نازل ہوا ہے۔

وکذالک ربا النساء۔ فان أهل ثقیف الذین نزل فیهم القرآن ان الرجل کان یاتی الی الغریم عند حلول الأجل فیقول: أتقضی أم تربی؟ فان لم یقضه زاده المدین فی المال وزاد الطالب فی الاجل۔ فیضاعف المال فی المدة لاجل التأخیر۔ وهذا هو الربا الذی لا یشك فیه باتفاق سلف الائمة وفیه نزل القرآن۔ والظلم والضرر فیه ظاهر۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۲۰/۳۴۹ مطبوعہ ریاض)

اور اس سلسلے میں علامہ ابن رشد قرطبی تحریر کرتے ہیں کہ جاہلی سود کے ممنوع ہونے پر امت کا اجماع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس کی حرمت کا صاف وصریح الفاظ میں اعلان کر دیا تھا۔

.... صنفٌ متفق علیه، وهو ربا الجاهلیة الذی نهی عنه، وذلك أنهم کانوا یسلفون بالزیادة وینظرون۔ فکانوا یقولون۔ أنظرنی أزدك۔ وهذا هو الذی عناه علیه الصلاة والسلام بقوله فی حجة الوداع؛ ألا وان ربا الجاهلیة موضوع، وأول ربا أضعه ربا العباس بن عبد المطلب۔

(بدایۃ المجتہد ۲/۹۶ مطبوعہ پاکستان)

خلاصہ یہ کہ قرآن میں جس سود کی حرمت آئی ہے وہ یہی ہے اور سود کی عام شکل یہی ہے لہذا اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

سود کی بعض خاص صورتیں اوپر سود (ربا) کی عمومی شکل بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی چند خاص شکلیں بھی ہیں جن کو اسلامی شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے۔ تاکہ سود کا دروازہ ہر حیثیت سے بند ہو جائے۔ جو تمدنی ظلم واستحصال کی ایک قابل نفرین شکل ہے۔ اور اس کی بنیاد بجائے انسانی ہمدردی کے خودغرضی اور مفاد پرستی پر رکھی گئی ہے۔ اس موضوع پر بعض ایسی حدیثیں موجود ہیں۔ جن سے اس سلسلے کے

بعض اصول وضوابط متعین کئے جا سکتے ہیں۔ مگر اس کی تفصیل اس موقع پر طوالت کا باعث ہوگی۔ اور اصل موضوع سے انحراف بھی۔ مگر اس موقع پر اتنا عرض کرنا ہے۔ کہ اسلامی شریعت کی رو سے جس طرح کچھ روپیہ دے کر زائد روپیہ وصول کرنا ربا ہے۔ اسی طرح مختلف اشیاء کے تبادلے میں بھی ربا ہو سکتا ہے اور یہ ربا کبھی ہم جنس اشیاء کی کمی بیشی کی بنا پر ہوتا ہے۔ اور کبھی ادھار تبادلے کی بنا پر۔ مثلاً سونے کا تبادلہ سونے کے ساتھ اور چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ برابر برابر ہونا چاہئے۔ ان میں کمی بیشی کے ساتھ یا ادھار کی شکل میں تبادلہ کرنا ربا ہے۔ لیکن جب جنس بدل جائے تو کمی بیشی جائز ہو سکتی ہے مگر ادھار جائز نہیں۔ چنانچہ سونے کا تبادلہ چاندی کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ مگر ادھار جائز نہیں۔ اسی طرح گیہوں کا تبادلہ گیہوں کے ساتھ کمی بیشی سے کرنا جائز نہیں۔ لیکن گیہوں اور جو کے تبادلے میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نقدی کے عوض میں کوئی بھی چیز نقد یا ادھار خریدی جا سکتی ہے۔

خلاصۂ بحث حاصل بحث یہ کہ کسی کو ایک ہزار روپے نقد دے کر کچھ مہلت کے ساتھ ایک ہزار ایک سو روپے یا ایک ہزار دو سو روپے وصول کرنا سود ہے۔ جو شرعی اعتبار سے ممنوع ہے۔ مگر ایک ہزار روپے کی چیز ایک ہزار ایک سو یا ایک ہزار دو سو روپوں میں فروخت کرنا سود نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

واحل الله البیع وحرم الربوٰا (البقرہ ۲۷۵)

لہٰذا مالیاتی ادارہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ روپیہ دے کر روپیہ وصول کرنے کے ممنوع اور مذموم طریقے کے بجائے جائز اور مشروع طریقہ اختیار کرے۔ اور شئے مطلوب کو خود خرید کر صارفین کو دے۔ اور اس سلسلے میں یہ اصول یاد رکھنا چاہئے کہ مرابحہ صرف استعمالی اشیاء (عروض) ہی میں ہو سکتا ہے۔ نقدین یعنی سونا اور چاندی میں نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ درمختار اور اس کی شرح ردالمحتار میں اس کی تصریح موجود ہے۔

المرابحۃ: مصدر رابح، وشرعاً بیع ماملکہ من العروض (أی) احترازاً عما ذکرنا من أنہ لو شری دنانیر بدراھم لا یجوز بیعھا مرابحۃً۔ (درمختار مع ردالمحتار ۴/۱۶۰)

بقیہ اسرائیلی جارحیت گذشتہ صحبت میں یہی عرض کیا تھا کہ کل کا فرعون اسی انجام سے دوچار ہوا آج بھی فرعون (روس اور امریکہ) وہی راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں جو کل کے فرعون نے کیا تھا۔ انجام اس کا بھی وہی ——— اور جس کو کمزور و بے بس بنایا گیا اور جن کے خلاف سازشیں کی گئی تھیں انہیں اپنے پیش رو کی طرح قیادت و سربراہی اور ان سے چھینے ہوئے ملکوں پر انہیں دوبارہ حکمرانی کے مواقع عطا کر دئے جائیں گے۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

مطبوعات مؤتمر المصنفین (۲۷)

متکلم عصر حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب زروبوی رحمۃ اللہ علیہ
صدر المدرسین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جس میں

آپ کے خاندانی مشائخ و اساتذہ کا تعارف، حالات زندگی، کمالات و خصوصیات، علمی و ادبی خدمات اور دیگر امتیازات پر مفصل تبصرہ اور تعارف آگیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب صرف حضرت مرحوم کی سوانح حیات ہے بلکہ دار العلوم حقانیہ کی اجمالی تاریخ بھی ہے۔

مرتب
مولانا محمد ابراہیم فانی (زروبی) مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا پروفیسر محمد اشرف صاحب پٹنہ

قلبِ ذاکر سازِ "الا اللہ" ہے

(سید سلیمان ندوی کی سیرت و افکار کی روشنی میں)

حضرت شیخ کی صحبت میں جنہیں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ ان پر ذکر کا کس قدر غلبہ تھا اور حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ پر کیفیت ذکر کس طرح چھائی ہوئی تھی ذکر کی تاثیر مجلس میں کھلی محسوس ہو جاتی تھی سیدی قدس سرہٗ کو دیکھتے ہی مجلس کا وہ حال ہو جاتا تھا جسے مجذوبؒ نے اپنے ایک شعر میں بیان کیا ہے ؎

یہ کون آیا کہ مدھم پڑ گئی لو شمعِ محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگی چنگاریاں دل کی

انوارِ ذکر قلوب کو مائل بذکر کر دیتے تھے، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد حضرت والا نور اللہ مرقدہ کی زبانِ اقدس سے بے ساختہ لا الٰہ الا اللہ یا اللہ اللہ کی صدا نکل جاتی تھی، خود فرماتے ہیں :-

ہر رگِ جاں سازِ الا اللہ ہے — کس نے بھر دی یہ صدائے دلنواز
ہر صدا آوازِ الا اللہ ہے — کوئی ہو آواز میرے کان میں
جو کوئی دم سازِ الا اللہ ہے — ہے اسی کی سانس انفاسِ حیاتؔ
قلبِ ذاکر سازِ الا اللہ ہے — دل سے ہوتا ہے ترانہ خود بلند
جام مے آوازِ الا اللہ ہے — وجد میں جاں ہے تو اعضا رقص میں

"ذاکر" کا ذکر جب اس کے قلب و روح میں رچ جاتا ہے اور رسوخ حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس کی صورت حال بھی سالکین کے لئے ازدیادِ ذکر و تقویتِ نسبت کا سبب بن جاتا ہے۔ جن حضرات نے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اور جانا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ نہ صرف قلبِ سلیمانیؒ بلکہ قالبِ سلیمانیؒ بھی مفتاح الذاکرین بن چکا تھا۔

ایک مرتبہ ایک طالب سے جس کے قلب سے بے اختیار "اللہ اللہ" کی صدا نکل جاتی تھی۔ ارشاد فرمایا۔

" گو یہ کیفیت مجھے بھی پیش آتی ہے۔ لیکن اصل ارادہ اور زبان سے ذکر کرنا ہے تا کہ ذاکر اس

خیال سے کہ ذکر قلبی جاری ہے ذہول میں مبتلا نہ ہوجائے، اس کے علاوہ نئے ارادہ کے ثواب سے محروم نہ رہے"۔
حضرت شیخ نے تواضعاً اپنی کیفیت کو طالب کی حالت کے مشابہ قرار دے دیا۔ ورنہ عجس تاثیر میں ڈوب کر حضرت والا کے اندرون قلب سے یہ آواز نکلتی تھی۔ اس کا اندازہ حضرت والا کی اپنی اس تحریر سے ہوجاتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے مرشد حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کو ایک خط میں لکھی ہے۔
ارقام فرماتے ہیں۔

" ذکر میں کبھی کبھی آواز ایسی دردمند ہو کر نکلتی ہے جیسے کسی دکھے ہوئے دل کے اندر سے نکلتی ہو۔ دو دفعہ تو ایسا نظر آیا کہ میں حالت نزع میں ہوں اور آواز آرہی ہے۔ اور ایک دفعہ دیکھا کہ میں شہید ہوگیا ہوں۔ اور آواز گلے سے نکل رہی ہے اور دونوں میں عجیب لذت روحانی پائی"۔[1]

ایک دوسرے احوال نامہ میں اپنے شیخ کامل کو لکھتے ہیں:۔

" ..... اس کے بعد ذکر میں ایسی کیفیت پیدا ہوئی، کہ اللہ لفظ زبان سے محبت میں ڈوبا ہوا نکلنے لگا اور نکلتا رہا اور جسم میں ایسا رقص پیدا ہوا کہ بیٹھے بیٹھے عند الذکر جھومنے لگا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ بوٹی بوٹی رقص میں ہے۔ اور اگر خلاف شرع ہونے کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں اٹھ کر ناچنے تھرکنے لگتا۔ استغفراللہ"۔

ان احوال کا اشارہ حضرت والا نے اپنے اشعار میں بھی فرمایا ہے۔

نام ان کا ہر نفس میں لب پہ یوں آیا کیا تن سے جیسے روح بسمل مائل پرواز ہے
وجد میں جاں ہے تو اعضا رقص میں جام مے آواز الا اللہ ہے

گو یہ " احوال" حضرت کے ابتدائے سلوک کے ہیں۔ لیکن "تمکین" و " نہایت سلوک (عرفی)" کے بعد بھی "اللہ" یا لا الہ الا اللہ کی صدا اس سوز و گداز و درد و کرب سے نکلتی تھی۔ کہ صاف " آغشتہ بخون" اور " دل و جگر" کے ٹکڑوں کی حامل ہوتی تھی۔

برادر معظم مولوی غلام محمد صاحب دام فیضہ شہادت دیتے ہیں:۔

---

[1] حکیم الامت مرشد تھانوی کا عارفانہ جواب سنئے:۔ ذاکرین کو ایسے حالات پیش آتے ہیں جو علامت ہے تاثیر ذکر کی اور یہ سب محمود ہیں مگر مقصود نہیں مقصود وراء الوراء ہے جس میں لطافت عقل ہے جس کا ادراک بھی بعض اوقات نہیں ہوتا الا بعد العلم المستفاد من علوم الانبیاء۔

"...... دوران گفتگو کبھی کبھی زبان مبارک سے بیساختہ " اللہ" یا لاالہ الا اللہ" یا استغفراللہ کے کلمات آہستہ مگر اس قدر پرسوز نکلتے تھے کہ سننے والے کے دل پر بجلی سی گر جاتی تھی۔ بلکہ بعض اہل جذبہ افراد تو بےخود ہو جاتے تھے۔" (تذکرہ سلیمان)

ایک مرتبہ فقیر نے عرض کیا کہ "حضرت، ذکر کو کس طرح کرنا چاہیئے"، ارشاد ہوا — " نالہ پابند نے نہیں ہے"
پھر فرمایا ع " وہ طرز نالہ ہو جوان کو بےقرار کرے"، میرا ایک شعر ہے۔

وہ اپنے کانوں سے سنتے ہیں میرے نالوں کو — وہ طرز نالہ ہو جو ان کو بےقرار کرے

ایک مرتبہ سفر میں حضرت قدس سرہ اور فقیر کا ایک ہی کمرہ میں قیام تھا۔ پچھلی رات میں نطقِ سلیمانی نے جب داؤدی لے میں " الااللہ، الااللہ" کا نغمہ ملکوتی ساز میں چھیڑا تو در و دیوار پر وجد کی کیفیت تھی اور سننے والا اپنی ہستی نغمات قدس میں گم کر چکا تھا ؎

کیا بھری تاثیر ہیں مطرب تیری آواز ہے — جو تری محفل میں بیٹھا وہ سراپا ساز ہے

حضرت والا کے بعض دیگر اشعار سے بھی حضرت کی کیفیت ذکر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

لذت خلوت بیان کیا کیجیے — ایک میں ہوں اور ان کا نام ہے
تیرے یاد آنے سے ہر غم مٹ گیا — داروئے ہر درد تیرا نام ہے
نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا — ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے
دیکھنا ہو تو نگاہِ شوق بن — اس کی ہر سو بارگاہ عام ہے
بزم میں تنہا نظر آتا ہوں میں — ایک میں ہوں اور خدا کا نام ہے

استحضار:۔

لفظ بیگانہ بھلا کیا ترجمانی کر سکیں — شوق بے اندازِ پیچیدہ وہ میرے دل میں ہے
وا کرائے مجنوں تو اپنے دیدہ مشتاق کو — لیلیٰ پردہ نشیں ہر پردۂ محمل میں ہے

ذکر حق سے صیقلِ کامل ہوا — محو دل سے نقش ہر باطل ہوا
چار جانب بارشِ انوار ہے — جلوہ فرما وہ مہِ کامل ہوا

رٹتا ہوں تیرا نام کرتا ہوں تیرا کام[1] — آتا ہے نظر جب کچھ اپنے میں ذرا ہوش
معلوم نہیں کس دم فرمائیں مجھے وہ یاد — خام ان کا نہ ہوا ہے دل، اک لمحہ فراموش
سجدہ میں جہاں سر ہے گو یا وہ تیرا در ہے — کیا کیا نہ کہا تجھ سے پایا جو سراپا گوش
حاصل ہے تصور میں کیفیت معراج — کیا کیا نہ مزا پایا، پایا جو ہم آغوش

[1] حاصل سلوک ذکر دائم اور ہر حال میں طاعت الٰہی ہی ہے (م۔ا)
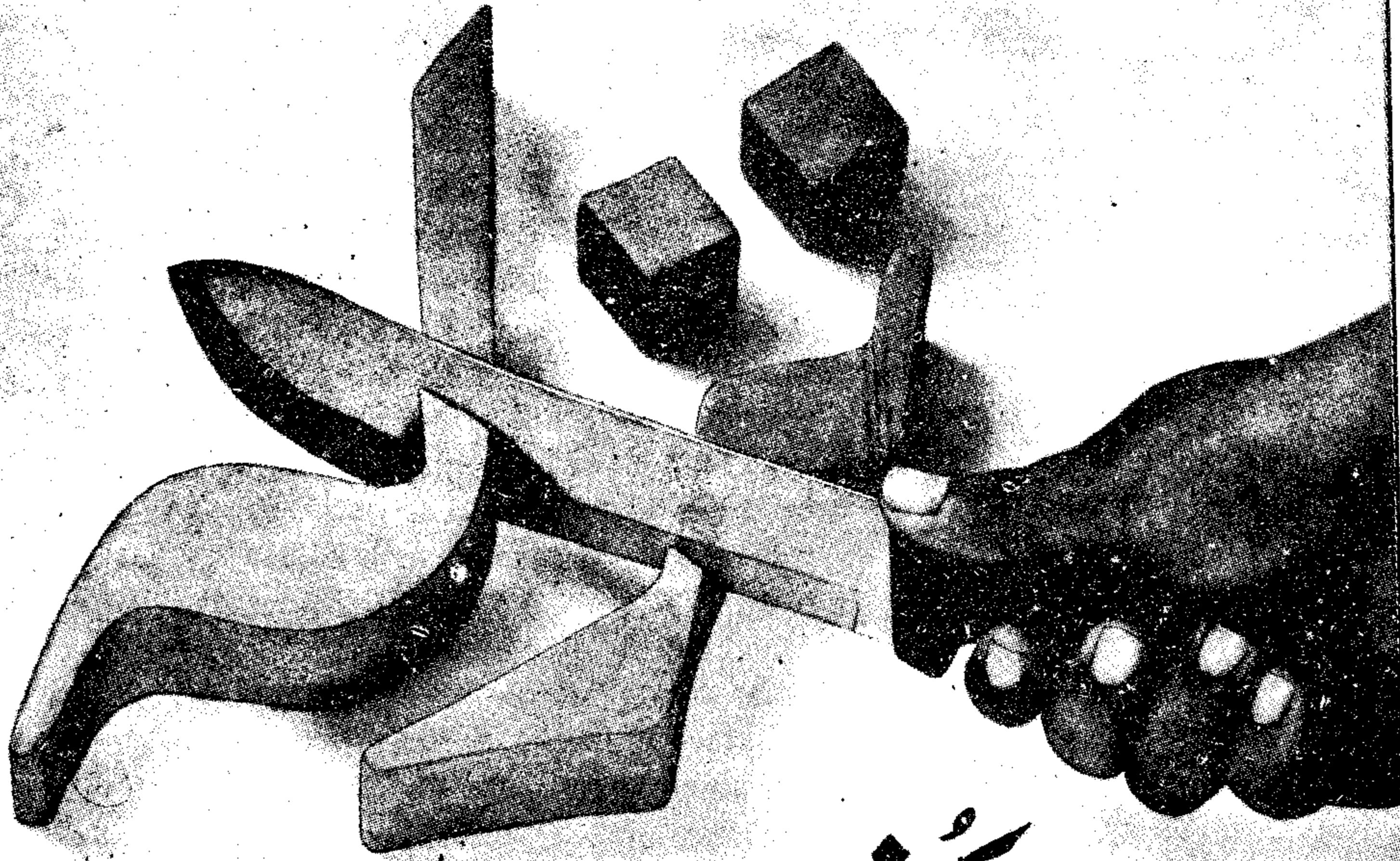
گلے میں خراش محسوس ہو یا چھینکیں آنا شروع ہوں تو سمجھ لیجیے کہ نزلہ زکام کی آمد آمد ہے۔ اسے معمولی بیماری سمجھ کر نظرانداز نہ کیجیے۔ فوری جوشینا لیجیے ورنہ زکام، کھانسی اور بخار جیسے تکلیف دہ امراض لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔

جوشینا۔ صدیوں سے استعمال ہونے والے جوشاندے کے نہایت مؤثر، کافی و شافی قدرتی اجزا کا خُلاصہ (ایکسٹرکیٹ) ہے جو ہمدرد کے ماہرینِ فن نے سال ہا سال کے تجربات و تحقیق کے بعد جدید دور کے مصروف انسان کے لیے تیار کیا ہے تاکہ اسے جوشاندے کو ابالنے، چھاننے اور شکر ملانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ ایک پیکٹ جوشینا ایک کپ گرم پانی میں ڈالیئے فوری استعمال کے لیے جوشاندے کی ایک خوراک تیار ہے۔

ہمدرد کی فنّی محنت اور دوا سازی کی صلاحیت کا مظہر

Adarts-JOS-1/89

مکتوب قاہرہ — جناب محمد اقبال سہیل
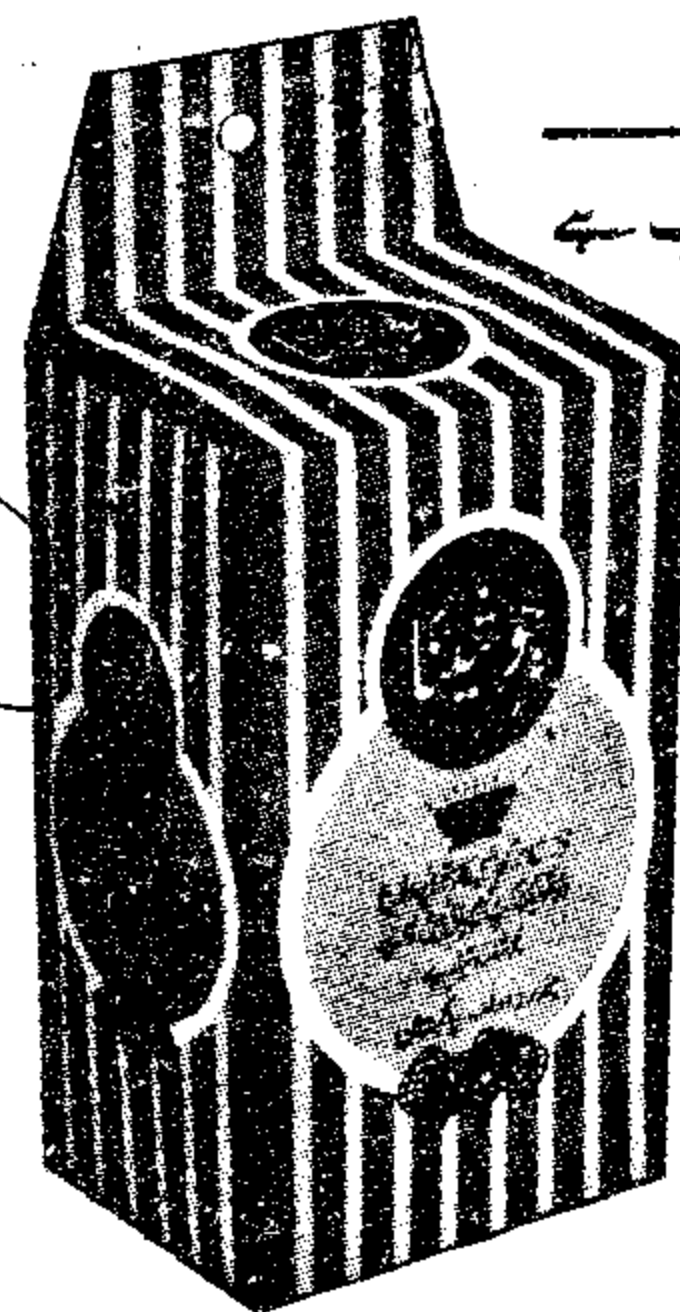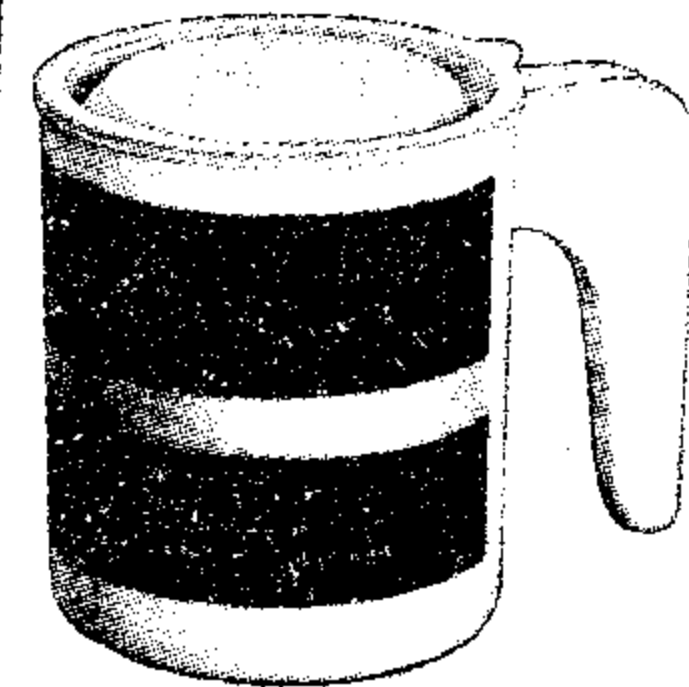
خلیجی بحران کا ذمہ دار کون؟

سعودی، کویتی، عراقی اور پاکستانی زعماء کیلئے محاسبہ فکر و عمل

اسلام آباد سے قاہرہ آنا پڑا، میرا یہ سفر صحت کی خرابی کی وجہ سے نہایت زار زار رہا، اب بھی حالت بہتر نہیں ہو سکی، لیکن حالات کی نزاکت کے پیش نظر یہ ضروری سطور تحریر بہ خدمت کر رہا ہوں۔

پاکستان میں تبدیلی حکومت سے پورے عالم اسلام کے عامۃ الناس میں یک گونہ اطمینان کا سانس لیا گیا اور اللہ کا شکر ادا کیا گیا۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان میں اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرنے والے عجلت، جلد بازی اور بدنظمی کے ساتھ کام کرنا بند کریں۔ حالات کا گہرا جائزہ لیا جانا چاہیئے، اسلامی صفوں کو پہلے درست کیا جانا چاہیئے۔ علماء و صلحاء (معاف کیجئے ادب سے گذارش ہے) ہمارے ملک میں جس غفلت و انانیت اور گروہی سیاست کا شکار ہیں، اس سے نجات حاصل کیے بغیر ملک میں کسی بڑی اجتماعی تبدیلی کی کوشش بار آور نہیں ہو سکتی۔

چھوٹی قوموں کا تعامل دور حاضر میں عالمی سامراجی طاقتوں کے ساتھ ہے۔ ہمیں صبر و حکمت کے ساتھ اپنے حدود و قیود کا خیال رکھتے ہوئے ایسی پالیسی وضع کر کے چلنا ہے کہ جس سے ان ہی اندھیاروں میں روشنی کے راستے بن جائیں۔

روس کی سامراجی طاقت کو جس طرح ہزیمت ہوئی اور کمیونزم کا نظام بے نقاب ہو کر بتدریج گر رہا ہے، یہی صورت اینگلو امریکی سامراج کے ساتھ بھی ہوئی۔ لیکن یہ کام اُسی وقت ہو سکتا ہے جب انبیاء کے وارث اپنا محاسبہ کریں اور گروہی سیاست کی تنگ دامانیوں سے باہر نکلیں مسلم معاشرے میں علماء و صلحاء اور صوفیاء پر اعتماد ختم ہوتا جا رہا ہے۔ جو بھی وجوہات ہوں خارجی عوامل کا جائزہ لینے سے پہلے داخلی عوامل کا جائزہ لینا بے حد ضروری ہے، صرف شریعت بل کے مطالبے پر ہی اتفاق ضروری نہیں ہے بلکہ شریعت مطہرہ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارثوں سے جس اجتماعی سلوک کا مطالبہ کیا ہے اُس کا نفاذ خود اسلامی صفوں میں ضروری ہے۔

پاکستان میں ایک فاسق عورت کی حکمرانی بلا شبہ عذاب الٰہی تھا اور جگ ہنسائی کا سبب بھی۔ لیکن اُس سے

بڑا جنگ ہنسائی کا سبب خود وطنِ عزیز کے مذہبی طبقوں اور مختلف علماؤں کا رویہ تھا جس قوم کے علماء اور اور اہلِ فکر انتشار اور بے بصیرتی کا شکار ہو جائیں وہاں بدنصیبی کے سائے گہرے ہو جاتے ہیں۔

ہمارے علماء، صوفیاء، صلحاء اور مذہبی جماعتوں کو سختی سے اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے۔ سامنے کی بالکل درست بات پر بھی اختلاف ذاتی وجوہات کی بناء پر کرنا درحقیقت بجائے خود عذابِ الٰہی ہے۔ اینگلو امریکی سامراجی ہرکاروں نے اسی سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کو ذلت آمیز اور تیسرے درجے کی لیڈرشپ کے حوالے کیا۔ اگر ملک کے شرفاء، علماء، صلحاء اور اہلِ فکر و نظر مضبوط و متحد ہوتے تو تلچھٹ کو حکمرانی کیسے مل سکتی تھی؟

خلیج میں اینگلو امریکی مداخلت پر پاکستان کے بعض علماء اور مذہبی طبقوں نے، بغیر معلومات کے بغیر، شعوبیت کی دوڑ میں احتجاجی سیاست کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ امریکہ کی مخالفت میں مظاہرہ کرتے والے پاکستان میں بیس ماہ تک اینگلو امریکی اور انڈو اسرائیلی ہرکاروں کی "پیپلز" حکومت کو ایک فاسق عورت کی قیادت میں برداشت کرتے رہے، سوال یہ ہے کہ "امریکی جمہوریت کی خاطر پاکستان میں یہ خاموشی کیوں تھی؟ ——— پوری دنیا میں پاکستان کی گت اڑتی رہی لیکن یہ امریکہ کی مخالفت کرنے والے بجائے خود "امریکی جمہوریت" کے پاسبان بن کر قومی غیرت کو فروخت کرتے رہے۔

خلیج میں امریکی مداخلت کا راستہ خود صدام حسین نے اپنی حماقت اور غرور سے ہموار کیا۔ اب جو اسلام کے نام پر صدام حسین نے ڈرامہ رچایا ہے۔ نو سال پہلے یہی بات ایران کہہ رہا تھا تو عراق جارح بن کر ایران پر کیوں چڑھ دوڑا؟ ایران کے ساتھ آٹھ سالہ جنگ کا آخر جواز کیا تھا؟ ایرانی شعوبیت نے جو بات نو سال پہلے کہی تھی وہ اُس وقت بھی غلط تھی اور آج جو کچھ عراقی شعوبیت ہانک رہا ہے وہ بھی سرے سے غلط ہے۔

اگر کسی کو فی الواقع اینگلو امریکی سامراج کا مقابلہ کرنا ہے تو سیدھی طرح نام نہاد اسرائیل پر حملہ کیا جاتا یہ اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیاں مارنے کی بات، بجائے خود امریکی سامراج کی خدمت ہے۔ عالمِ اسلام میں شگاف ڈالنے کی سیاست پرلے درجے کی حماقت ہے۔ خدا جانے یہ کیسا دور آیا ہے کہ بونے اور چھوٹے قد کے کم ظرف لوگ قوموں کے لیڈر بن بیٹھے، اپنے قد کاٹھ کا جائزہ لیے بغیر قوموں کی قسمت سے کھیلنے لگے۔ خود پسندی، ضد، غرور اور حماقت سے امت کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔ سعودی عرب اور خلیج کی جیو پولیٹیکل کمزوریوں کو پیشِ نظر رکھ کر ایسے کسی اقدام سے گریز کرنے کی ضرورت تھی کہ جس سے بڑی طاقتوں کو اندر آن گھسنے کا موقع فراہم کیا جاتا۔ لیکن جس طرح ناصر نے روس کی ناک تلے بیت المقدس اور آدھا فلسطین اسرائیل کے حوالے کر دیا تھا اسی طرح صدام حسین نے حماقت و غرور اور عجلت و گرم مزاجی میں

خلیج میں اینگلو امریکی مداخلت کے لیے خود راستہ فراہم کیا۔

یہ شدید مغالطہ ہے کہ امریکی فوج سعودی عرب کی حفاظت کے لیے پہنچی ہے۔ اینگلو امریکی مداخلت تیل کے مصادر کی حفاظت کے لیے آئی ہے اور بین الاقوامی بحری گذرگاہوں میں مرکوز ہے۔ عالمی اقتصادیات کے مصادر جس سے کہ خود مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس فائدے کو بیمار ذہن اور نام نہاد انقلابی فلسفوں کے ذریعے تباہ کرنا پرلے درجے کی بے بصیرتی اور رذالت ہے۔

عراق خود تیل پیدا کرنے والے امیر ملکوں میں شمار ہوتا ہے، لیکن عراق کی ساری دولت کو پولیس اسٹیٹ بنانے، دوسروں سے جنگ کرنے اور اپنے ملک کے پڑھے لکھے لوگوں کو ذبح کرنے میں صرف ہوئی، ڈیڑھ ملین عراقی ہجرت کر گئے۔ کُردوں پر کیمیکل ہتھیار بے رحمی سے استعمال کرنے والے صدام حسین کو راتوں رات اسلام یاد آ گیا۔ پھر عراق میں علماء کو جیلوں میں ڈال کر کون انہیں تشدد کے ذریعے تعذیب دیتا رہا؟ کیا بعث پارٹی کی ہیئت ترکیبی جاننے والے راتوں رات اسلام کا چُغہ پہن کر حرمین شریفین کی دُہائی دینے والوں پر کس طرح یقین کر سکتے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ عراق سے حجاج بن یوسف نے جب خانہ کعبہ پر گولی باری کی تھی اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کیا تھا، اُس وقت حرم شریف کے آس پاس کون سی اجنبی فورس تھی؟

لہٰذا یہ مذہبی خلط مبحث کرنے کی جو عادت بعض مذہبی سیاسی حلقوں کو ہو چلی ہے اُنہیں چاہیئے کہ وہ فتنوں کو ہوا دینے کی بجائے معقول رویہ اختیار کریں ـــــ سعودی عرب میں پاکستانی فوجی امداد پر سُنا ہے کہ کچھ دانشوروں اور سیاست دانوں نے عجیب و غریب بیانات دیئے ہیں ـــ سالہا سال سے پاکستان کو ہر ہر موقع پر عراقی فلسطینی اور بعض دوسروں نے مسلسل بھارت کے لیے نیچا دکھایا ہے اس کے شرمناک ریکارڈ موجود ہیں ـــ کس منہ سے یہ حضرات بیان بازی کرتے ہیں ـــــ ہر دوسرے تیسرے ماہ برطانیہ اور امریکہ بھاگنے والوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے آپ کو ملک کے سادہ لوح عوام کے سامنے اینٹی امریکن چیمپئن بنا کر پیش کریں۔ اسے کہتے ہیں:

شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت

آپ سے درخواست ہے کہ ملک کے سربرآوردہ محترم حضرات علماء و صلحاء اور دینی طبقوں کو درست حالات سے مطلع فرمائیں۔

پاکستان میں جو لوگ خلط مبحث کرتے ہیں ان کا جائزہ لیا جانا چاہیئے کہ وہ کس کی خدمت کر رہے ہیں؟ سوال تو یہ ہے کہ اگر ناصر کو امریکہ کا مقابلہ کرنا تھا تو اس کے لیے یمن میں جا گھسنے کی ضرورت کیا

(باقی ص۳۱ پر)

شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، امابعد!

چونکہ فقیر کو سوالنامہ متعلقہ کی تمام شقوں کے جوابات لکھنے کی نہ فرصت ہے اور نہ ہمت ہے۔ لہٰذا بعض سوالات کے جوابات لکھنے پر اکتفاء کرتا ہے۔

① فقیر ائمہ اربعہ اور ان کے تلامذہ اور ہر مذہب کے فقہاء سے اور ان کی کتب سے متاثر ہوا ہے۔ اور ان کے علاوہ دیگر علماء اور اُن کی کتب سے چنداں متاثر نہیں ہوا بلکہ جدید آراء کے قبول کرنے میں عجلت کرنے سے متنفر ہوتا ہے۔

② ان سابق کتب اور ان کے مصنفین کی خصوصیات اتباعِ وحی، اعتماد علی السلف اور مخلوق پر شفقت اور اتباعِ ہویٰ سے اجتناب ہیں۔

③ مجھے جرائد اور مجلات پڑھنے کی عادت نہیں ہے البتہ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مضامین کو پسند کرتا ہوں۔

④ فقیر جن اساتذہ اور مشائخ سے متاثر ہوا ہے اُن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:- (۱) میرے والد صاحب حضرت العلامہ مولانا حبیب اللہ صاحبؒ (م ۱۳۶۸ھ) فقیر ان کے دقیق علم، سادگی اور مغلق مقامات کو مختصر الفاظ میں عام فہم کرنے سے متاثر ہوا ہے۔ (۲) حضرت العلامہ مولانا خان بہادر صاحبؒ (م ۱۳۹۶ھ) فقیر انکی ذکاوت اور دقتِ علم سے متاثر ہوا ہے۔ (۳) حضرت العلامہ مولانا محمد نذیر صاحب چکیسریؒ (م ۱۳۹۱ھ) فقیر ان کی قوتِ حافظہ اور شفقت سے متاثر ہوا ہے۔ (۴) حضرت العلامہ مولانا عبدالرازق صاحب شاہ منصویؒ (م ۱۳۹۷ھ) رقتِ قلبی اور خوفِ خدا میں بے نظیر تھے۔ (۵) شیخ الطریقت حضرت مولانا خواجہ محمد عبدالمالک صدیقیؒ (م ۱۳۹۳ھ) فقیر ان کے اخلاص، زہد، توجہات سے متاثر ہوا ہے (۶) شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ (م ۱۳۸۸ھ) فقیر ان کے پختہ علم، توکل، کم گوئی اور انابت الی اللہ سے متاثر ہوا ہے (۷) شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کیمبلپوری (م ۱۳۸۵ھ) فقیر ان کے پختگی علم، کم گوئی سے متاثر ہوا ہے (۸) شیخ الحدیث

حضرت العلامہ مولانا عبدالحق صاحب اکوڑوی (م ۱۴۰۹ھ) فقیر ان کے وسعتِ علم اور حسنِ تدبیر سے متاثر ہوا ہے۔

(۵) فقہ قدیم مثلاً مبسوط، بدائع، ہدایہ میں جدید مسائل کے مآخذ صراحتہً یا اشارۃً موجود ہیں۔ اور قدیم علم کلام مثلاً شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح عقائد میں جدید اعتراضات کے صراحتہً یا اشارۃً بیخ کن جوابات موجود ہیں۔

(۸) جب تک اسلامی اقتدار یا اہلِ علم کی تنظیم موجود نہ ہو تو اس مروجہ نصاب میں تبدیلیاں مضر ہیں، قدیم کی اہمیت ختم ہو جائے گی اور جدید حاوی نہ ہو سکے گا اور جب اسلامی اقتدار یا اہل علم کی مؤثر اور فعال تنظیم موجود ہو تو اس نصاب میں تبدیلیاں ضروری ہیں۔ عربیت کے فنون سے دلائل اور نکات بعدالوقوع کا خارج کرنا اور قرآن اور احادیث کے لغات اور محاورات ذکر کرنے والی کتب کو داخل کرنا۔ اور حکمتِ قدیم اور ہیئتِ قدیم کی جگہ جدید حکمت اور ہیئت رائج کرنا اور جدید علم کلام کی کتب کی زیادت کرنا بہت اہم امور ہیں۔

بقیہ خلیجی بحران

تھی؟ اور اگر صدام حسین کو امریکہ کو سبق سکھانا تھا تو کویت پر قبضہ کرنے کی کیوں ہوک اُٹھی؟ اگر اسرائیل پر حملہ کیا جاتا تو پورا عالم اسلام پیچھے ہوتا اور سامنے اسرائیل ہوتا، ساری دنیا اس (صدام) کے ساتھ ہوتی۔ اب عراق نے خود امریکہ کو بلا لیا ہے اور ساری دنیا کو امریکہ کے ساتھ کر دیا ــــ اسے آپ ہوشمندی کہتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو اور اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائے ــــ دعاؤں کے ساتھ!

بقیہ از دینی مدارس کے پیش نظر تھی اور نہ مسلمانوں کی سربلندی۔

اس تلخ تجربے کی بنا پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ کیا وہی تاریخ پھر دہرائی جا رہی ہے؟

آج "مرکز فروغ سائنس" نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو آج سے چالیس سال اس کے پیشروؤں نے اختیار کیا تھا۔ اسی ڈھنگ اور اسی لب و لہجہ میں بات کی جا رہی ہے۔ بار بار دین کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔ اور اسی طرح کا سبز باغ دکھایا جا رہا ہے۔ کیا اس کو اپنا مستقبل محفوظ کرنے کی پھر ضرورت پیش آگئی ہے؟ اگر اس تحریک کی تہہ میں یہی حقیقت کارفرما ہے تو ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ سوچنا پڑے گا کہ پہلی تحریک سے تو مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا سودا کر کے اپنا مقصد حاصل کیا تھا۔ اب کی بار اس کا دین و مذہب اور اس کا ایمان داؤ پر لگا رہا ہے۔ اس لئے آنکھیں کھلی رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ ع

نیا جال لایا پرانا شکاری

جناب ابومحفوظ الکریم معصومی

تفسیر المظہری
کا
ناقدانہ جائزہ

ہندوستان نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں جو عظیم خدمت انجام دی ہے اس کی اہمیت صرف مقامی دائرہ تک محدود نہیں بلکہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ ایسی تفسیریں یہاں لکھی گئی ہیں جو بلاد عربیہ کے مفسرین کی عظیم خدمات کے پہلو بہ پہلو پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہندی مفسرین اور ان کی عربی تفسیروں کا ایک حد تک تاریخی جائزہ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کے تحقیقی مقالہ میں ملتا ہے۔ جو سرسری طور پر علوم القرآن کی نشر و اشاعت اور ہندی ظروف و احوال میں ان کے نشو و نما اور ترقی کا خاکہ پیش کرتا ہے۔ اور لائق استفادہ ہے۔ میں یہاں طولانی تمہید کے بغیر صرف طبقۂ متاخرین کی ایک شخصیت کے عظیم تفسیری کارنامہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ پورے تفسیری ادبیات میں اہل ہند کا جو مخصوص حصہ ہے اسی کے پیش نظر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی التفسیر المظہری اپنی جامعیت و مجموعی انفرادیت کے لحاظ سے مستحق مطالعۂ خصوصی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی
رحمۃ اللہ دم رجب ۱۲۲۵ھ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ نسلاً عثمانی ہیں اور ۱۲ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی سے ملتا ہے اٹھارہ سال کی عمر میں تکمیل علوم رسمیہ فرمائی۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حلقۂ درس میں رہ کر فقہ، حدیث و تفسیر کے اعلیٰ مدارج طے فرمائے شیخ عابد سنامی اور ان کے بعد حضرت شیخ جان جاناں دہلوی کے حلقۂ ارادت میں مراتب عالیہ کی سیر کی۔ ان کی علمی بصیرت و حذاقت کا عنوان تاباں شیخ جان جاناں نے علم الہدیٰ کے لقب کو قرار دیا جب کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو قاضی صاحب کے صغار معاصرین میں ہیں ان کے

مراتب عالیہ علمیہ کا ترجمان (بیہقی وقت) کے خطاب کو قرار دیا۔ شیخ غلام علی دہلوی نے مقامات میں ان کی جلالت شان بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ صفائے ذہن، جودت طبع، قوت فکر و سلامتی نظر میں نہا نہ ہونے کے ساتھ فقہ واصول میں مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے۔ مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ فرما کر قوی ترین مذہب کی نشان دہی میں آپ نے ایک مستقل رسالہ الاخذ بالاقوی مرتب فرمایا۔

اکابر مشائخ نے قاضی صاحب کے فضل و کمال کا اعتراف جن الفاظ میں فرمایا ہے ان کا خلاصہ شیخ محسن ترہتی کے رسالہ الیانع الجنبی میں یہ الفاظ ثبت ہیں۔

انه کان فقیها اصولیا زاهدا مجتهدا له اختیارات فی المذاهب ومصنفات عظیمة فی الفقه والتفسیر والزهد وکان شیخه یفتخر به	وہ فقہ واصول میں ماہر اور زہد واجتہاد کے پیکر تھے۔ فقہی مذاہب میں خود مسلک ترجیح واختیار پر گامزن اور فقہ، تفسیر و تصوف میں عظیم تصانیف کے مالک تھے ان کے شیخ کو ان پر فخر تھا

وہ شیخ جن کو حضرت قاضی پانی پتی پر فخر تھا۔ حضرت شمس الدین جان جاناں جیسے قدوۃ المشائخ ہیں جیساکہ علامہ ترہتی نے صراحت کی ہے۔ السیف المسلول فی الرد علی الشیعہ، رسالۃ فی العشر والخراج، حقیقۃ الاسلام، مالابد منہ وغیرہ کو حضرت قاضی علیہ الرحمہ کے رسائل و تالیفات میں خاص اہمیت و شہرت حاصل ہے لیکن التفسیر المظہری آپ کی ضخیم ترین کتاب اور قرآن حکیم کی مکمل و جامع محاسن تفسیر ہے جس کی اشاعت ندوۃ المصنفین کی جانب سے ہو چکی ہے۔

سہو و فروگذاشتیں طبع بشر کا خاصہ ہیں اور خصوصاً تفسیری روایات کی حیثیت شروع سے ائمہ ناقدین کی نگاہ میں تنقیح طلب رہی ہے اور سخت ترین اصول تفسیر نویسی پر کامیابی کے ساتھ شروع سے اخیر تک اشہب قلم کا چلتے رہنا کارے دارد کا مصداق ہے۔ مواخذہ نقد و نظر سے امام جلیل محمد بن جریر الطبری تک کی تفسیر بچ نہ سکی۔ امام فخر الدین رازی کے عظیم کارنامہ پر تبصرہ کرنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ "فیہ کل شئی الا التفسیر" لیکن انصاف شرط ہے کہ بیشتر محاسن و کمالات علمیہ کی دھجیاں معمولی فروگذاشتوں کی بنیاد پر نہ اڑائی جائیں۔ اور نقطہ ہائے نظر کے اختلاف کے باوجود لائق ستائش اجزاء نظر انداز نہ کئے جائیں۔ بلکہ کوئی ندرت و خصوصیت پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے تو اس کا برملا اعتراف کیا جائے۔

اپنی تفسیر کی بابت خود حضرت قاضی علیہ الرحمہ کا بیان ان کے ایک خط میں ملتا ہے۔ جو اپنے پیر بھائی مولانا نعیم اللہ بہرائچی کو آپ نے لکھا تھا۔ متعلقہ الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

" تفسیر مظہری بفضلہ تعالیٰ کسوت اختتام پوشید بفضل الٰہی در ضمن تفسیر قرآن متکفل بہ بیان مذاہب فقہاء و ادلہ شان درضمن مسائل فقہ، ومسائل کلام ومسائل تصوف وسیر ومغازی سید الانام واختلاف قرأۃ کافی وشافی آمدہ "

میرے خیال میں حضرت قاضی صاحب جیسے پیکر علم وانکسار سے باوجود تواضع وسادگی اس سے زیادہ کی توقع نہیں ہوسکتی۔ اور آپ نے سادہ لفظوں اور متواضع جملوں میں جن پہلوؤں کی طرف اشارہ کردیا ہے ان میں سے ایک تصوف کو اگر علیحدہ کردیجئے تو بھی ساری باتیں کم وبیش مفسرین کے مسلمہ طور پر واضح اسلوب تفسیر نگاری ابن جریر طبری کی تفسیر جامع البیان سے لے کر عہد حاضر تک کے اہل قلم مفسرین کی تفسیر نویسی کے بنیادی اجزائے ترکیبی کی حیثیت سے بطور قدر مشترک سب میں نظر آئیں گی۔ ایسی شکل میں تفسیر مظہری کی خصوصیات بیان کرنے کے لئے جزئیات کا احاطہ کرنا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے دراصل صرف تفسیر مظہری کو موضوع مطالعہ بنائے بغیر چارہ کار نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم فی الوقت طول وعرض کی وسعتوں اور گہرائیوں کا جائزہ لے کر کوئی نتیجہ پیش کرنے سے قاصر ہیں اور صرف اشاروں پر اکتفا کرنے کے لئے مجبور۔ خوش قسمتی سے زمرۂ ہندی مفسرین میں سے ایک یگانہ مفسر کی رائے ہاتھ آگئی ہے۔ جسے ہم یہاں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں میری مراد نواب صدیق حسن خان علیہ الرحمہ سے ہے۔ اکسیر فی اصول التفسیر میں نواب والاجاہ نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے وہ یہاں تماماً وکمالاً درج کیا جاتا ہے :-

" مظہری : تفسیر عربی است، درچہار جلد کلاں، بر لسان فقہ وتصوف ودر قرأت واعراب ہم کلام کردہ۔ ماخوذ از بغوی وبیضاوی است۔ تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ است، وجہ تسمیہ او باایں اسم آنست کہ شیخ وے میرزا جان جاناں مظہر تخلص داشتے، ایں بر نام وے تالیف کردہ ومعارف وحقائق اوراسع معارف ومقامات شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی بیان فرمودہ۔ فقیر اور ابنظر اجمالی دیدہ دریافت کہ وجوہ تفسیر کمتر دارد ومباحث خارج ازیں فن بسیار قابل تنقیح وتخلیص است وجائے کہ بسخنے ومقالہ منفرد۔ از دائرہ تحقیق بدر رفتہ۔ مذاق صوفیہ غالب دارد، ومہارت در علم تفسیر خیلی قلیل واللہ اعلم۔

حضرت نواب صاحب مرحوم نے مظہری کا مطالعہ بقول خود تفصیل واستیعاب سے نہیں بلکہ سرسری طور پر کیا۔ لیکن انہوں نے جو رائے پیش کی ہے اس کا لہجہ بتاتا ہے کہ بڑے گہرے احتساب کی نظر سے مطالعہ کیا۔

ہو گا۔ بہرحال وہ اپنی رائے بڑے وثوق کے ساتھ بدفعات ذیل پیش فرماتے ہیں۔

۱۔ وجوہ تفسیر کی مقدار کم ہے۔

۲۔ فن سے خارج مباحث کی کثرت ہے لہذا تنقیح و تلخیص کی ضرورت ہے۔

۳۔ تفردات میں مصنف مظہری دائرہ تحقیق سے باہر نکل گئے ہیں۔

۴۔ علم تفسیر میں مہارت کی کمی ہے۔

۵۔ مذاق تصوف کا ان پر غلبہ ہے۔

۶۔ یہ کتاب بغوی و بیضاوی سے ماخوذ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک طرف نواب صاحب مرحوم کی جلالت شان اور ان کے عظیم کارناموں سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ دوسری طرف حضرت قاضی ثناء اللہ کے بحر سواج میں ہم جیسے کم سواد کیا شناوری کریں گے یہ اتنا ہمارے لئے بہت کافی ہے۔ کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے جس کو "بیہقی الوقت" کہا اور مرزا جان جاناں جیسے یگانہ جامع الصفات صوفی و درویش ہی نہیں علوم دین و شریعت کے نبض شناس نے "علم الہدیٰ" کا لقب دیا ہو ایسے ملقب بالالقاب السنیۃ کی بابت دفعہ ایک سے لے کر چار تک کی باتیں حیرت زدہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اگر تفسیر مظہری آج طبع ہو کر ہم جیسے کم سوادوں کے ہاتھوں میں نہ آگئی ہوتی تو بات دوسری تھی۔ نواب صاحب مرحوم کی تحریر موثر ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ نواب علیہ الرحمۃ کی اجمالی نگاہ کو بھی ایک بے بضاعت کی عمر بھر کی دقت نظری پہنچ نہیں سکتی۔ ان کی رائے عالی کے مذکورہ بالا دفعات سے اتفاق کرنا دشوار ہی نہیں محال نظر آتا ہے۔ دفعات چہار گونہ کو موخر کر کے ہم آخری دونوں دفعوں کی بابت بالفاظ مختصر اپنی گذارشات آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔

۱۔ نواب صاحب کا ارشاد ہے۔ "ماخوذ از بغوی و بیضاوی ست" میرے نزدیک یہ الفاظ تنقیص کے لئے نہیں ہیں۔ اگر غور کیجئے تو علوم نقلیہ ہی نہیں عقلیات میں بھی چراغ روشن کرنے کا عمل بہ تسلسل نظر آئے گا اور علوم دینیہ میں تو علی الخصوص اس کی اشد ضرورت ہے۔ کسی زمانہ میں اس فقیر نے تفسیر طبری کی اہمیت پر اپنے خاص مطالعہ کے نتیجے میں اس کے ماخذ کی بھی نشاندہی کی تھی۔ اخذ و اقتباس سے جو سلیقہ مندی کے ساتھ ہو اور بامقصد ہو کسی بڑے سے بڑے مصنف کی جلالت شان میں فرق نہیں پڑتا۔ امہات مصادر و مآخذ دینیہ کا جائزہ لیجئے تو واضح ہو گا کہ کوئی عظیم مصنف و مؤلف اپنی مستند تالیفات کو اخذ و اقتباس سے الگ نہیں رکھتا۔ اور نہ وہ متقدمین سے اپنی بے نیازی کا دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ یہی بے نیازی اس کی اور اس کی کتاب کی اہمیت و قدر و قیمت کو فی الواقعہ گھٹانے کا سبب ہوتی ہے اور تو اور خود نواب صاحب

کی دیگر بے شمار تصانیف ممتعہ کو جانے دیجئے ان کی تفسیر فتح البیان جو اس ناقص العلم کی نگاہ میں ہندوستان کی تفسیری خدمتوں میں ایک وقیع ترین خدمت اپنی جگہ پر ہے۔ کیا اسی کے مآخذ نظروں سے اوجھل ہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ قاضی صاحبؒ نے قاضی بیضاوی یا بغوی کے فرمودات کو آنکھیں بند کر کے نقل فرما دیا ہے یا ان کی ایک ایک بات کی جانچ اور پرکھ بھی کی ہے۔ کہ کندن کے ساتھ ریت اور دھول کے چمکتے ذرّے بھی سمیٹ لیئے ہوں۔ ایک آدھ مثال ذیل میں پیش کی جائے گی۔ کہ کچھ تو حال قاضی علیہ الرحمۃ کے طریق اخذ و اقتباس کا کھلے۔

۲۔ نواب صاحب مرحوم کا یہ فرمانا کہ " مذاق صوفیہ غالب دارد"، اس پر تبصرہ کرنا میرے لیئے چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ نواب صاحب کے قلم سے یہ جملہ نکلا کیسے؟ آپ نے خود شیخ صدر الدین احمد بن اسحٰق القونوی (م ۶۷۳ھ) کی تفسیر سورۃ الفاتحہ بنام "اعجاز البیان فی کشف بعض اسرار ام القرآن" کے تعارف میں یہ فرمایا ہے:۔

"وے کلام خود را بنقل اقاویل اہل تفسیر ممزوج نساختہ و نہ بکلام عاقلین متفکرین جز آنچہ حکم لسان من حیث الارتباط واجب می کند۔ بلکہ اکتفا بہ بہ ہبات الٰہیہ و واردات صمدیہ نمودہ محرر سطور گوید۔ ایں واردات اگر مطابق تفاسیر اہل حق است و متصادم مقصود تنزیل و سنت مطہرہ نیست، در خور التفات باشد اگر از قبیل مکاشفات متصوفہ است ہیچ نمی ارزد"[۳]

مقصود ہمارا یہ ظاہر کرنا ہے کہ جہاں قونوی کی متصوفانہ تفسیر کے لئے نرم گوشہ آپ کے دل میں پیدا ہو گیا اور اس شرط کے ساتھ کہ " ایں واردات اگر مطابق تفسیر اہل حق است و متصادم مقصود تنزیل و سنت مطہرہ نیست" ان واردات کو آپ نے " در خور التفات" قرار دیا تو قاضی پانی پتی علیہ الرحمہ کی تفسیر اور مندرجہ واردات اس قابل بھی نہیں کہ مفید بشرط بالا ہی سہی در خور التفات قرار دی جاتی۔ یا پھر بعض امثلہ کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا جاتا کہ مظہری کے مشمولات "متصادم مقصود تنزیل و سنت مطہرہ" ہیں۔ آئندہ اس خاص پہلو کو بھی کسی قدر واضح کیا جائے گا۔ انشاءاللہ

بقیہ دفعات بہار گانہ بادی النظر میں جس قدر سنگین ہیں، بحمداللہ تفسیر مظہری کا اکثر و بیشتر مواد ان میں سے ہر الزام کی تردید کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ تفصیل کہاں تک پیش کی جائے ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کیلئے

آئندہ جو مختصر باتیں عرض کی جائیں گی وہ ان تمام دفعات کی حقیقت واضح کرنے کے سلسلہ میں نشان راہ

کا کام دے سکتی ہیں۔ ایک بات بہرحال قابلِ ذکر ہے کہ اکسیر فی اصول التفسیر میں نواب علیہ الرحمہ نے جو جملہ چو نکا کر دیا ہے اس کے برخلاف تفسیر فتح البیان کے مقدمہ میں قاضی صاحب مرحوم پر ان کا دھاوا ایک رخا بن کر رہ گیا ہے۔ تفسیر نگاری میں بعض علوم دینیہ کے خصوصی ماہرین کی نگارشں پر جو مخصوص مہارت کی چھاپ پڑ جاتی ہے۔ اس پر نواب صاحب کی گرفت ایک حد تک بے جا نہیں۔ اسی ضمن میں رقم طراز ہیں۔

و الفقیہ یکاد یسر	اور فقیہ جیسے پوری فقہ کا متن (تفسیر
و فیہ الفقہ جمیعا د ربما	میں) سنانا چلا جاتا ہے۔ اور کسی ادنی
استطرد الی اقامۃ ادلہ الفروع	مناسبت فقہی فروع کے دلائل قائم
الفقیہۃ التی لا تعلق	کرنے کے درپے ہوتا ہے جن کو آیت
لہا بالآیۃ اصلا و الجواب	سے مطلق نسبت نہیں ہوتی اور دلائل
عن الادلۃ للمخالفین	مخالفین کا جواب دینے لگ جاتا ہے
کالقرطبی و صاحب	جیسے قرطبی ہیں اور تفسیر مظہری کے
المظہری ۴۲	مصنّف۔

غنیمت ہے کہ اس موقع پر انہوں نے قاضی صاحب مرحوم کو حقائق التفسیر کے مصنف ابو عبدالرحمن السلمی کے ساتھ نتھی نہیں کیا۴۳ اس کا مطلب کیا یہ لیا جائے کہ نواب صاحب کی ناراضگی کا اصلی سبب کچھ اور نہیں وہی فقہی مباحث کی تفصیلات ہیں جو اثنائے تفسیر آن پڑی ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو عرض کر چکا ہوں کہ متقدمین کی تفسیروں میں بھی فقہیات کا حصہ کم نہیں۔ اور جامع البیان للطبری میں تو مستقل ذخائر نحوی مباحث کے علاوہ فقہیات، کلامیات اور بصرہ و کوفہ کی نحوی کشاکش کی تفصیلات ملتے ہیں۔ اور خود نواب صاحب کی تفسیر کا جائزہ اگر انہی کے مقررہ معیار نقد و نظر کو سامنے رکھ کر لیجئے تو دوسروں کو جو کچھ وہ کہہ گذرے ہیں ان سے خود ان کی تفسیر مبرّا نہیں نکلے گی۔

بہرحال قاضی علیہ الرحمہ کی مفسرانہ روش اور امتیازات کو سمجھنے کے سلسلے میں تفسیری مباحث کے نمونوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ لہذا بعض مثالیں جزوی نکات کی توضیح کے ساتھ درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ سورہ بقرہ کی آیت رقم (۷۴) و ان منہا لما یہبط من خشیۃ اللہ کی تفسیر میں مصنف نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ پتھر بجنس جماد ہے خشیت سے اس کا تعلق ہی کیا ہے۔ جواباً فرماتے ہیں۔

قال البیضاوی الخشیۃ مجاز عن انقیادھا للاوامر التکوینیہ یعنی خشیۃ یہاں حقیقی معنی میں نہیں۔ بلکہ بطور مجاز اوامر تکوینیہ کا تابع ہونے کے معنی میں ہے۔ جس سے جماد یا پتھر بھی مستثنیٰ نہیں

یہ جواب قاضی بیضاوی کا نقل ضرور کیا گیا ہے لیکن خود ہمارے قاضی ہندی علیہ الرحمہ کی نگاہ عمیق اور فکر راسخ کو اس سے اتفاق نہیں۔ چہ جائیکہ اطمینان ہو۔ وہ برموقع موثر اور مدلل لفظوں میں بیضاوی سے اپنا اختلاف ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہیں ان کی رسائی فکر و نظر یا کم از کم اس خاص مکتب فکر کی انفرادیت جس کے وہ پروردہ تھے کھل کر سامنے آتی ہے۔ دیکھئے کس قدر اعتماد کے لہجہ میں فرماتے ہیں۔

قلت وهذا ليس بشيء۔ فان الانقياد للاوامر التكوينية موجود في قلوب الكفار ايضا قال الله تعالى ختم الله على قلوبهم، فهم انقاد والالختم قال: ولله يسجد من في السموات والارض طوعا وكرها وعن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان قلوب بني آدم كلها بين اصبعين من اصابع الرحمن كقلب واحد يصرفها كيف يشاء ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك رواه مسلم والتحقيق ما قال البغوي ان مذهب اهل السنة والجماعة ان لله تعالى علما في الجمادات وسائر الحيوانات سوى العقلاء لا يقف عليه غيره فلها صلوة وتسبيح وخشية قال الله تعالى۔ وان من شيء الا يسبح بحمده الخ

میں کہتا ہوں یہ کوئی بات نہ ہوئی اس لئے کہ اوامر تکوینیہ کے تابع تو کفار تک کے قلوب ہیں۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں (مہر لگادی اللہ نے ان کے قلوب پر) توان کے دلوں پہ مہر لگی اور وہ اس بارہ میں تابع بن کر رہے۔ نیز فرماتے ہیں (اور اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں سب آسمان وزمین والے خوشی وناخوشی کے ساتھ) اور عبداللہ بن عمرو رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں، بنی آدم کے قلوب سب کے سب اللہ کی دو انگشتوں کے بیچ میں ایک قلب کی طرح ہیں وہ جیسے چاہتے ہیں ان کو گردش دیتے ہیں۔ پھر آنحضرت نے فرمایا اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے (مسلم کی روایت ہے) اور تحقیق بغوی کا قول ہے کہ اہلسنت والجماعۃ کے مذہب میں اللہ کا علم ذوی العقول کے سوا جمادات وحیوانات کو بھی حاصل ہے۔ مگر اس پہ سوائے باری تعالیٰ کے غیروں کو راست اطلاع نہیں۔ پس ان کے

لئے بھی صلوٰۃ تسبیح اور خشیت ہے
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (اور کوئی شے نہیں
مگر وہ پروردگار کی تسبیح و حمد میں مصروف
ہیں)

برموقع پوری عبارت المظہری کی پڑھ دیکھئے اور اس کا مقابلہ بیضاوی کے الفاظ سے کیجئے جہاں یہ فقرہ ملتا ہے۔ ومنھا ما یتردی من اعلی الجبل انقیادا لما اراد اللہ بہ والخشیۃ مجاز عن الانقیاد[۷] الخ ماخذ اس کا بہر حال زمخشری کی الکشاف ہے[۸] اور مدارک التنزیل میں بھی آیت شریفہ کی تفسیر میں اولیت انہی الفاظ کو حاصل ہے۔ قیل ھو مجاز عن انقیادھا لامر اللہ اس کا ماخذ براہ راست الکشاف ہے۔ صاحب مدارک دوسرے درجہ میں اس قول کو نقل کرتے ہیں۔ جیسے صاحب المظہری نے ترجیح دی ہے[۹]۔ آیت کی تفسیر میں خود شوکانی کا بیان ہر دو وجوہ تفسیر پر مشتمل ہے اور اگرچہ انہوں نے "مجاز عن الخشوع" کو درجۂ ثانوی دیا ہے لیکن اول کی ترجیح ثانی پر ان کے قلم سے بھی واضح نہیں ہوتی[۱۰] نواب صاحب کی تفسیر فتح البیان کا ظاہر ہے کہ اس سے الگ حال نہیں۔ جو دراصل شوکانی سے لفظ بہ لفظ ماخوذ ہے قلیل ترین حذف اختصار اور (واختارہ ابن عطیہ) کے تنہا اضافی فقرہ کے ساتھ۔ البتہ حافظ ابن کثیر کی بات اور ہے۔ قاضی پانی پتی نے جو نکتۂ اساسی اس ترجیح کے ضمن میں واضح کیا ہے۔ ابن کثیر کی نگاہِ متجسس اسے آشکارا کرنا ہی چاہتی تھی۔ انہوں نے بیشتر و مفسرین یا ماخذ ول کی نشاندہی کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا ہے :-

وقد زعم بعضھم ان ھذا من باب المجاز وھو اسناد الخشوع الی الحجارۃ کما اسندت الارادۃ الی الجدار فی قولہ (یرید ان ینقض فاقامہ) قال الرازی والقرطبی وغیرھما من الائمۃ ولا حاجۃ الی ھذا۔ فان اللہ تعالیٰ یخلق فیھا ھذہ الصفۃ[۱۲] الخ

گویا اصل اس تردید کی قرطبی و رازی کی تفسیروں میں موجود ہے۔ مگر وہ زورِ بیان اور اعتماد کا لہجہ جو قاضی پانی پتی کی تفسیر میں برموقع نظر آتا ہے۔ شاید رازی کی تفسیر میں بھی نہیں[۱۳]۔ شارح بیضاوی علامہ شیخ زادہ (م ۹۵۱ھ) نے معنی حقیقی کے عوض بیضاوی کی تبعیت میں معنی مجازی ہی کی بنا استوار رکھنے کی سعی فرمائی ہے[۱۴]۔ اس طول کلام کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ کم از کم ان مصادر کا مطالعہ کر کے قاضی پانی پتی کی برموقع تفسیر دیکھیں تو نمایاں طور پر معلوم ہو گا کہ بہ اعتبار وسعت معلومات و تبحر و عمق فکر و بصیرت جس قول کو وہ ترجیح دیتے ہیں اس کے لئے دلائل و قوتِ بیان اور صراحتِ زبان کے سرمایہ کی کمی ان کے خزانہ میں نہیں ہے۔ غرض یہاں قاضی بیضاوی کی تردید اور بغوی کی تائید میں ان کے زورِ بیان کا سکہ بالکل کھرا ہے اور اس کے دونوں رخ دلآویز و روشن ہیں۔ (جاری ہے)

مولانا اسیر ادروی ۔ جامعہ اسلامیہ بنارس

دینی مدارس میں سائنس کی تعلیم!

" دینی مدارس اور سائنسی تعلیم " کے نام سے پچھلے دنوں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں چالیس کے قریب مضامین اور مقالے پڑھے گئے۔ مقالہ نگاروں میں کچھ تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور کچھ وہ لوگ تھے جو گاؤں اور قصبوں کے دینی مدارس میں درس و تدریس کا کام کرتے ہیں۔ ان سارے مضامین کو مسلم یونیورسٹی کے رسالہ " تہذیب الاخلاق " کے ماہ مئی کے شمارے میں یک جا کر کے شائع کر دیا گیا ہے ۔

تقریباً ایک سال سے مسلمانوں میں سائنس کی تعلیم کو فروغ دینے کی تحریک چلائی جا رہی ہے۔ اس کام کے لئے مسلم یونیورسٹی میں ایک شعبہ "مرکز فروغ سائنس" کے نام سے کھولا گیا ہے ۔ یہ کانفرنس اسی مرکز کی طرف سے بلائی گئی تھی۔ اس مرکز نے اتر پردیش اور بہار میں دینی مدارس کا سروے بھی کرایا ہے ۔ وہ پرائمری درجات سے لے کر آخر تک ریاضی، سائنس اور انگریزی تینوں مضامین کو دینی مدارس کے نصاب میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں کتر بیونت کر کے ان مضامین کو اس میں شامل کیا جا سکتا ہے اور صرف ان مضامین کے اساتذہ کا اضافہ کر کے یہ تحریک اپنی منزل پر پہنچ سکتی ہے ۔

کانفرنس میں پڑھے گئے مضامین، کنوینر کے خطبۂ استقبالیہ اور مہمانِ خصوصی کی تقریر میں ان علوم کی اہمیت و ضرورت پر پورا زورِ قلم اور زورِ بیان صرف کیا گیا ہے ۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن و حدیث میں ان علوم کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی پستی اور بدحالی کا واحد سبب بھی ان علوم کی ناواقفیت کو بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جب تک مسلمان ان علوم سے بے بہرہ رہے گا وہ کبھی بھی ترقی کی منزلیں طے نہیں کر سکے گا۔ بلکہ بتدریج پستی میں گرتا چلا جائے گا۔

"تہذیب اخلاق " کے مدیر نے مسلمانوں کو سائنس کی تعلیم کی اہمیت و ضرورت پر زور دیتے ہوئے بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کی بھی کوشش کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"آج بھی بعض حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ سائنس سے مذہب میں بیزاری آتی ہے ۔ ہم اس خیال کی پرزور الفاظ میں تردید کرتے ہیں ۔ اس غلط خیال کی بنیاد سائنس کی تاریخ سے لاعلمی، سائنس کی بات

غلط فہمی اور بے جا تعصب ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عظیم سائنسدانوں اور سائنسی تحقیق کے شہسواروں کی بڑی اکثریت مذہب اور روحانیت کی قائل رہی ہے۔"

پھر اسی سانس میں اپنے مذکورہ بالا بیان کے بالکل برعکس وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ:۔

"غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سائنس پہ مذہب بیزاری کے الزام کی بنیادی وجہ مغرب میں سائنس اور مذہب کے نام پہ ماضی میں ہونے والا ٹکراؤ ہے۔ اس ٹکراؤ کو اس کے صحیح پس منظر میں دیکھے بغیر بعض مسلم دانشوروں نے یہ غلط نتیجہ نکالا کہ سائنس فطرتاً مذہب کے خلاف ہے۔ دراصل یہ ٹکراؤ سائنس اور روایتی عیسائیت کے مابین تھا نہ کہ سائنس اور اسلام کے۔ اس ٹکراؤ میں شدت اور سائنسی حلقے کے چند افراد کے مذہب کے معاملہ میں انتہا پسندی، اس دور کے کلیسا کے انتہائی آمرانہ اور ظالمانہ رویہ کا ردعمل تھا۔"

پہلے جو بات کہی تھی اور جس بات کی پر زور الفاظ میں تردید کی گئی تھی اسی کے برعکس ساری باتوں کا خود اعتراف کر لیا گیا اور اس کے ثبوت میں سائنس اور مذہب کے ٹکراؤ کی تاریخ بھی پیش کر دی گئی۔ اور یہ بات ثابت کر دی کہ ابتدا ہی سے مذہب کا ٹکراؤ رہا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے سمرقند و بخارا میں کمیونزم اور اسلام کے درمیان ٹکراؤ رہا۔ اور اس کے نتیجہ میں روس کو اسلام کا سب سے بڑا قبرستان بنا دیا گیا۔

پھر اپنے پہلے دعوے سے نیچے اتر کر دوسرا دعویٰ کیا گیا کہ سائنس کا ٹکراؤ اصلی عیسائیت سے نہیں تھا بلکہ روایتی عیسائیت سے تھا۔ اگر مدیر گرامی نے اصلی عیسائیت اور روایتی عیسائیت کے درمیان خط فاصل کھینچ کر بتا دیا ہوتا تو جواب زیادہ باوزن ہو جاتا۔ مدیر گرامی نے اپنے اس جواب سے مسلم دانشوروں کو پھر خود غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور ان کو یہ یقین کرنے پر مجبور کر دیا کہ جب دینی مدارس میں سائنس کے رواج کے بعد مسلمانوں میں ذہنی ارتداد اور الحاد پیدا ہوگا اور مسلم دانشور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں گے تو حامیان سائنس یہی کہیں گے کہ سائنس کا ٹکراؤ اصلی اسلام سے نہیں بلکہ روایتی اسلام اور مسلم دانشوروں کے کٹرپن سے ہے اصل اسلام تو وہ ہے جس کو صرف تعلیم یافتہ طبقہ سمجھتا ہے۔ آج ہندوستان میں جو تمام دینی مظاہر ہیں شکل و صورت، وضع قطع، لباس و معاشرت، تہذیب و اخلاق، طور و طریق، نکاح و طلاق، رشتے و ناطے، نماز و روزہ، زکوٰۃ و حج، توحید، کائنات کے خالق و مالک کے غیر محدود تصرفات اور قدرت و اختیار اور حشر و نشر، حیات بعد الموت یہ سب ترقی پسندوں کے نزدیک روایتی اسلام ہے۔ اصلی اور حقیقی اسلام وہ ہے جس کو کریم چھاگلہ۔ نورالحسن، حمید دلوائی۔ عارف محمد خاں۔ ظفر علی نقوی اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ سمجھتا ہے۔ علماء اور مسلم دانشوروں کو معرفت کے اس بلند مقام تک پہنچنے میں ابھی صدیوں کی مدت درکار ہے۔

دینی مدارس وہ لوگ چلاتے ہیں جو اسلامی تعلیمات و روایات اور اس کے عملی مظاہر کو حقیقی اور اصلی اسلام سمجھتے

ہیں۔ ان کا اسلام جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرح قلم کی نوک اور زبان کی لفاظیوں تک محدود نہیں ہے اس لیے دینی تعلیم کے ساتھ کسی ایسے علم کی تعلیم کو کس طرح گوارا کر سکتے ہیں جو ان کے دین کی نفی کرتا ہے اور عقیدہ کی جڑوں میں کھولتا ہوا پانی دے کر اس کے استیصال کی کوشش کرتا ہے۔

اس تحریک کا سرچشمہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ پلاننگ اور منصوبہ بندی ان لوگوں کی ہے جو اس یونیورسٹی سے وابستہ ہیں یا وہ لوگ ہیں جو اپنے عہدوں سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ اب ان کو تلاش ان ضمیمہ بردار وں کی ہے جو دو، دو، تین، تین سو روپے ماہوار دینی مدارس میں اپنی زندگیاں کھپا رہے ہیں۔ ان کو مدارس اسلامیہ کے نصاب کو ناکارہ پن کی بھی شدید شکایت ہے۔ منطق، فلسفہ اور علم کلام کی کتابوں کی لغویت اور ان کے مذہب دشمن ہونے کا بھی شدید احساس ہے۔ ان کا خیال ہے کہ دینی مدارس کے نصاب کو از سر نو مرتب کیا جائے اور ہر فن کی ایسی کتابیں مرتب کرائی جائیں یا منتخب کی جائیں کہ ایک ہی کتاب سے وہ فن حاصل ہو جائے۔ اس طرح "مرکز فروغ سائنس" ایک وسیع منصوبہ رکھتا ہے اور اپنے کام کا آغاز کر چکا ہے۔ مدارس دینیہ کے ارباب اہتمام اور اساتذہ سے رابطہ قائم کیا جا رہا ہے اور ان کو اپنی کانفرنس اور اصلاح و مشورہ کی مجلسوں میں بلا کر سر اور آنکھوں پر بٹھایا جا رہا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرکز فروغ سائنس نے خصوصیت کے ساتھ دینی مدارس ہی کو کیوں نشانہ بنایا؟ جب کہ وہ جانتے ہیں کہ یہاں خالص دینی تعلیم دی جاتی ہے اور وہ بھی صرف عربی زبان میں۔ یہاں نہ انگریزی پڑھائی جاتی ہے اور نہ عصری علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان مدارس کی افادیت کا اعتراف اور ان کی کارگذاری پر اظہار اطمینان بھی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود خود ہی اس کی افادیت کو مجروح کرنے کے لئے اقدام بھی کرتے ہیں۔ ان کے لئے سہل ترین صورت تو یہ تھی کہ وہ ان تمام انگریزی سکولوں اور کالجوں میں فروغ سائنس کی مہم کو اور تیزی سے چلاتے جو مسلمانوں کے زیر انتظام چلائے جا رہے ہیں۔ ان کی تعداد بھی دینی مدارس سے کچھ کم نہیں ہے۔ اگر ان سکولوں اور کالجوں سے اپنی مہم کا آغاز کر کے مسلمان قوم میں وہ انقلاب برپا کرنے کا معجزہ دکھاتے جس کا سبز باغ مسلمانوں کو دکھایا جا رہا ہے اور ایسے سائنس دان پیدا کرتے جو دینی و دنیاوی علوم کے جامع ہوتے ان سکولوں اور کالجوں اور خود مسلم یونیورسٹی سے نکلنے والا سائنسدان ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے اسلام کا ترجمان بن جاتا تو دنیا دیکھ لیتی کہ آپ نے جو منصوبہ بندی کی ہے اس کا عملی مسلم یونیورسٹی سے نکلنے والا سائنس اور ریاضی کا ماہر بھی ہے اور اسلام کا بہترین ترجمان بھی۔ ایک زمین اپنے اندر نشو و نما کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اس کے سارے وسائل و ذرائع بھی موجود ہیں اس میں تخم ریزی کر کے فصل پیدا کرنا کہیں آسان ہے۔ اس بات سے کہ آپ ایک بنجر اور شور زمین کو منتخب کر کے اپنی محنت کو رائیگاں کرنے کے لئے نکلے ہیں۔ اگر عمل سے اس تحریک کی افادیت ظاہر کر دی جاتی تو زور بیان اور زور قلم دکھانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عرصہ دراز سے اب تک اس سلسلہ میں جو کام ہوا ہے وہ صرف یہی کہ چند افراد ان علوم کی سندیں کر آئے اور کسی یونیورسٹی میں لیکچر

بن کر چار پانچ ہزار تنخواہ پانے لگے اور بس۔ ان کی اپنی دنیا تو سنور گئی۔ اب قوم وملت کا افسانۂ درد بھی ان کو سننا منظور نہیں جب تک کہ وہ عہدے سے ریٹائر نہ ہو جائیں۔ اگر اس تحریک سے ایسے ہی چند افراد کی پیدا وار مقصود ہے اور اسی کو مسلمان قعر مذلت سے نکال کر بام ثریا پر پہنچانا سمجھتے ہیں اور یہی اس تحریک کی آخری منزل ہے تو خدا کے لئے آپ اس تحریک کو انہی لوگوں تک محدود رکھئے جن کے طائر فکر کی پرواز حسن بن صباح کی اس فردوس بریں کی بلندیوں تک ہے۔ عام مسلمانوں کے دینی تعلیم کے نظام کو درہم برہم کر کے اسلام کو اس سرزمین میں دفن کرنے سے احتراز فرمائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

ان کا خیال ہے کہ ایک عالم دین کو بہترین سائنسدان اور عصری علوم میں بھی ماہر ہونا چاہیئے تاکہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں اسلام کی ترجمانی کا فرض بہتر طور پر ادا کر سکے۔ چونکہ علماء اسلام عصری علوم سے ناآشنا ہیں اس لئے دور جدید میں وہ اسلام کی بہترین ترجمانی کرنے سے معذور ہیں۔ اور اپنے فرض کو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکے۔

سوال یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور مسلمانوں کے زیر انتظام چلنے والے اسکولوں اور کالجوں نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں کتنے اسلام کے ترجمان پیدا کئے؟ جنہوں نے اسلام کی ترجمانی کا حق پورے طور پر ادا کیا ہو۔ عالم دین کو سائنس پڑھنا تو فرض ہے لیکن سائنس پڑھنے والے مسلمان کو دین کی ابجد سے بھی واقف ہونا کیوں دقیانوسیت ہے؟ ایسی صورت حال میں پھر دین کی بات اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی عظمت اور اسلام کی بہتر ترجمانی کی بات درمیان میں کیوں لائی جاتی ہے؟ جدید تعلیم یافتہ ایک بھی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے کہ اس نے کوئی ایسا شخص بھی ملت کو دیا ہو جس نے سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل ہو اور وہ دین کا بھی بہترین عالم ہو اور اس نے دین کے فروغ کے لئے کوئی قابل ذکر کام کیا ہو۔ کیونکہ اس کا مطمح نظر صرف دنیا ہے دین نہیں۔ اس کی پوری زندگی لیکچرر، ریڈر اور پروفیسر کی مسندت تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ ذہن میں یہ کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو "پابندی رسوم و قیود سے" اپنی پوری زندگی میں آزاد رہتا ہے۔ ان کے دلوں میں اسلام کو سربلند کرنے، نئے دور کے تقاضوں کے مطابق اسلام کا ترجمان پیدا کرنے کا یہ جذبہ کیسے پیدا ہوا۔ ان کے دماغوں میں یہ سودا کیوں سما گیا کہ مسلمان قوم دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی صف میں اپنی دینی ومذہبی خصوصیات کے ساتھ کھڑی ہو جائے۔ اسلام کا ترجمان ایک طرف علوم دین میں ماہر کامل ہو تو دوسری طرف سائنس اور عصری علوم میں بھی اس کا مقام و مرتبہ اتنا بلند ہو جائے کہ وہ دور جدید کے چیلنجوں کا بھرپور مقابلہ کر سکے۔ اور پوری دنیا میں پرچم اسلام کی سربلندی کا فریضہ نہایت شاندار طریقے سے انجام دے سکے۔ جب کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بہترین دماغ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں آتے ہیں۔ دینی مدارس میں وہی طلبہ آتے ہیں جو معاشی اعتبار سے پسماندہ، ذہنی اعتبار سے کودمغز اور ناکارہ اور سماج کے نچلے طبقہ سے ہوتے ہیں۔ پھر ایسے ہی وہ ناقابل توجہ ذلیل وحقیر انسان کو دو متضاد طرح کے علوم اور زبان کی تعلیم دے کر مقام ثریا پر پہنچانے کا منصوبہ بناتے ہیں اور اس حیرت ناک اور محیر العقول تجربہ کے لئے میدان میں اتر آئے ہیں۔ یہ بڑی حیرت ناک بات ہے کیا ایسا تو نہیں کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو عام طور پر علماء دین اور مشائخ کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے وہ دینی مدارس پر شبخون مارنے کی تیاری کر رہا

ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ مسلمان اس دقیانوسی فرسودہ اور از کار رفتہ تعلیم سے ترک تعلق کرکے تہذیب جدید کی راہوں پر گامزن ہوجائے۔ اور ترقی یافتہ اقوام کے دوبدوش کھڑا ہوجائے؟ اس کے امتیازات وخصوصیات اور اس کی انفرادیت اپنی موت آپ مرجائے۔ شکل وصورت۔ وضع قطع۔ لباس۔ تہذیب ومعاشرت۔ خیالات وجذبات ہر اعتبار سے اس منزل پر آجائے جہاں کئی کمیونسٹ ممالک پہنچ چکے ہیں؟ اور یہی جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی ہندوستان میں معراج ہے۔

اس کھٹک کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج سے چالیس سال پہلے بھی قوم وملت کا یہ درد ایک بار اس کے سینے میں بڑی شدت سے اٹھا تھا۔ اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو سبق پڑھایا کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں ہندو اور مسلمان دونوں کا یکجا رہ کر اپنی تہذیب وتمدن اور اپنا دین بچانا ناممکن ہے لیکن یہ تحریک اس وقت عوامی تحریک بنی جب ان کو اسلامی حکومت کا سبز باغ دکھایا گیا اور ملک کو دو حصوں میں تقسیم ہونا پڑا۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا یہ ساری دنیا جانتی ہے۔ ۸۰ لاکھ مسلمان ادھر سے ادھر مارے مارے پھرے لاکھوں مسلمانوں کو بوٹی بوٹی کرکے پھینک دیا گیا۔ ۳۰ ہزار مسلمان عورتیں اغوا کی گئیں اور دوسروں کے قبضے میں جاکر عزت وعصمت اور دین وایمان سب لٹانے پر مجبور رہوئیں۔ ہزاروں مسجدوں میں جانور باندھے گئے۔ مسلمانوں کی اربوں کی جائیداد پر حکومت نے قبضہ کرلیا۔ اور آج ستر کروڑ کی آبادی میں مسلمان کی حیثیت یرغمال کی ہوکر رہ گئی۔

پاکستان بن جانے کے بعد اسمبلی میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے اسلامی دستور بنانے پر زور دیا اور کہا کہ حسب اعلان پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہونی چاہیئے۔ تو اس وقت کے وزیر خزانہ مسٹر شعیب نے کہا کہ مولانا! آج بھی تو اسلامی حکومت ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ مسجد کے لوٹے اور کلوخ کے ڈھیلے جب حکومت کریں گے تبھی اسلامی حکومت ہوگی؟

پاکستان کی حمایت میں رعد وبرق کی طرح کڑکنے اور گرجنے والے علماء مسجد کے لوٹے اور کلوخ کے ڈھیلے بنا دئے گئے کیونکہ اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اسی طرح مسٹر جناح پر جب اسلامی دستور بنانے پر زور دیا گیا تو انہوں نے دوٹوک جواب دیا۔

"پاکستان میں آج کے بعد کوئی مسلمان، کوئی ہندو، کوئی سکھ، کوئی عیسائی نہیں ہوگا، سب پاکستانی ہوں گے اور ایک پاکستانی قوم کی حیثیت سے ملک کی تعمیر میں حصہ لیں گے۔ بہت سے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ پاکستان انہوں نے حاصل کیا ہے اس لئے صاف طور پر سن لیں کہ پاکستان تین چیزوں نے بنایا ہے۔ میں نے، میرے سکریٹری نے اور میرے ٹائپ رائٹر نے۔ اس لئے اس کے مستقبل کی بہتری کے لئے میں جو چاہوں گا کروں گا"

یہ تھا اس طوفان بدوش تحریک کا انجام جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی سربلندی کے نام سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح تک پورے جوش وخروش کے ساتھ اسلامی حکومت کا سبز باغ دکھا کر چلائی تھی۔ تحریک کامیاب ہوگئی، پاکستان بن گیا تو اسلام اور مسلمان کا نام لینے والے بے عزتی کے ساتھ اسٹیج سے اتار دئے گئے۔ یہ صرف اس لئے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ پاکستان بنا کر صرف اپنا مستقبل محفوظ کرنا چاہتا تھا اور وہ محفوظ ہوگیا۔ نہ اسلام کی عظمت ان کے

(باقی ۳۶ پر)
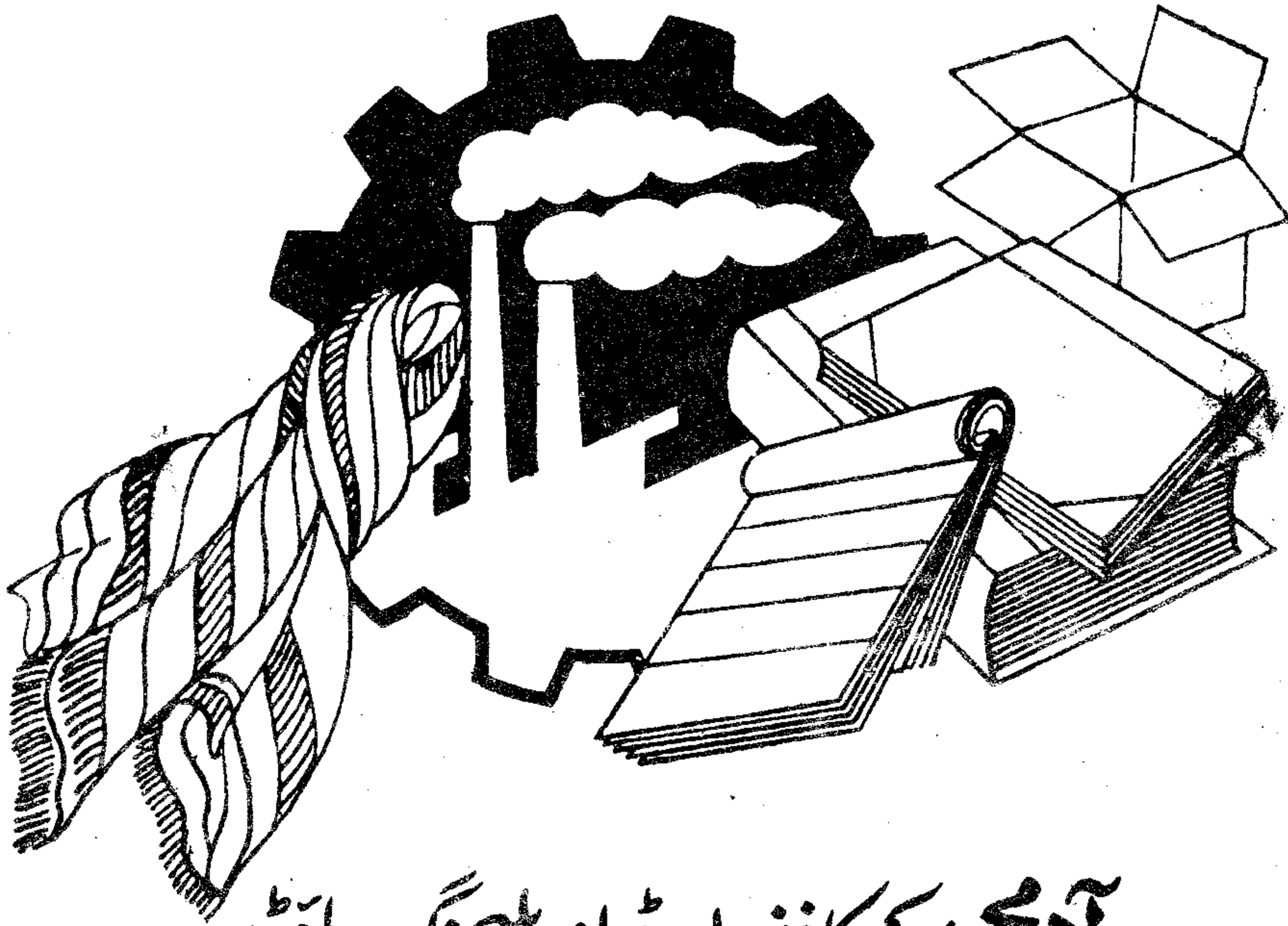
حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی

ممبرانِ قومی اسمبلی کے نام، ایک دینی پیغام

اُن علماء کرام کے نام خصوصاً اور دیگر شریعت خواہ ممبران محترم کے نام عموماً جو قومی اسمبلی کے انتخاب میں کامیاب ہوچکے ہیں

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کامیابی کو ملک میں نفاذ شریعت مطہرہ کا قوی ذریعہ گردانے آمین ثم آمین ۔

گذارش یہ ہے کہ (الف) اولین مرحلہ پر قومی اسمبلی سے سینٹ میں منظور شدہ شریعت بل کا منظور کرانا اس لئے بے حد ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں اب تک مسلمانانِ پاکستان کے نیک جذبات بحمدہٖ نہایت ہی بیدار رہیں اس میں ذرّہ بھی تاخیر سے کام لیا گیا تو ع

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

کے تحت عرصہ دراز تک ملکی عدالتیں اسی طرح قرآن و سنّت کی توہین کی مرتکب رہیں گی ۔ اور غیر شرعی قوانین کے باعث ملک میں اسی طرح حرام خوریاں اور حرام زدگیاں بڑھتی رہیں گی ۔ جیسے کہ اب ہو رہا ہے ۔ مخالفین شریعت پاک کی بھرپور کوشش یہی ہوگی کہ حیلوں، حوالوں، مکر و فریب اور تاویلات کے پھندوں میں پھنسا کر اس میں تاخیر کرائیں تاکہ اہل اسلام کے یہ بیدار دینی جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں اور غیر شرعی قوانین کے باعث امت ذلیل ہوتی رہے لاقدر اللہ تعالیٰ

(ب) منظور شدہ شریعت بل میں ردّ و بدل اور بعض ترمیمات سے اگرچہ بوجوہ اہم بھی ہوں سردست گریز فرماویں کیونکہ اس طرح یہ نیا بل تصوّر ہوگا ۔ اور سینٹ سے از سرِ نو اس کی منظوری ضروری قرار پائے گی جو جوئے شیر لانے سے کم مشکل نہیں بہ الفاظ دیگر سینٹ میں جیتی ہوئی جنگ گویا نادانستہ طور سے ہار لی جاوے گی والعیاذ باللہ ع

لغزش نہ ہو غضب ہے حسینوں کا التفات

(ج) یہ خیال شریف میں رہے کہ قوانین تو کیا آئین اور دستور میں بھی ترمیمات کا دروازہ کھلا رہتا ہے اس وقت ایوان زیریں قومی اسمبلی سے آپ نے کم از کم ملکی عدالتوں سے قرآن و سنت کی پابندی کا کلمہ پڑھوانا ہے جو کہ ایوانِ بالا سینٹ سے پڑھوایا جا چکا ہے پھر حنفی اور شافعی بنانے کے لئے بصد خوشی جب تک ضروری ہو جدوجہد جاری ہی رہنی چاہیے بہرحال مخالفین شریعت کے چالوں سے بچتے ہوئے بنیاد جو رکھ دی گئی ہے اسے خدا کیلئے اکھڑ ولنے نہ دیں اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر رہے ۔ ہر چند کہ حکمت بلقمان آموختن کچھ زیادہ دانشمندی نہیں لیکن کسی کار میں کلمہ خیر سے شریک ہونا شرعاً معیوب بھی نہیں بڑوں کے سامنے کوئی تجویز رکھنا آپ کو معلوم ہے کہ نصوص سے ثابت ہے ۔ والسلام مع الاکرام ۔

"قومی خدمت ایک عبادت ہے"

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعہ

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

ڈاکٹر جمیلہ سٹرل۔ پشاور یونیورسٹی

قسط ۳

ناصر الحدیث حضرت امام شافعیؒ

کشف الظنون میں مندرجہ ذیل کتابیں دی گئی ہیں۔

۱۔ کتاب ابی عبداللہ محمد بن سلامہ القضاعی المتوفی ۴۵۴ ھ

۲۔ کتاب ابی الحسن محمد بن الحسن السجستانی الابری المتوفی ۳۶۳ ھ

۳۔ کتاب ابی الحسن محمد بن عبداللہ الرازی المتوفی ۳۴۷ ھ

۴۔ کتاب الامام داؤد ظاہری صحب المذہب المتوفی ۲۷۰ ھ

۵۔ کتاب ابی المنصور عبدالقادر بن طاہر البغدادی المتوفی ۴۲۹ ھ

۶۔ کتاب عبداللہ بن ایری بن شاکر القطان

۷۔ کتاب امام الحرمین ابی المعالی عبدالملک بن عبداللہ الجوینی المتوفی ۴۷۸ ھ

۸۔ کتاب احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۷۸ ھ

۹۔ کتاب ابی محمد بن الفرات اسماعیل بن احمد الہروی الرخسی المتوفی ۴۱۴ ھ

۱۰۔ کتاب ابی علی الحسن بن الحسین الہمدانی المتوفی ۵۵۵ ھ

۱۱۔ کتاب ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری المتوفی ۴۰۵ ھ

۱۲۔ کتاب ابی عبداللہ بن یوسف الجرجانی القاضی المتوفی ۴۸۹ ھ

۱۳۔ کتاب عبدالرحمٰن بن حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ ھ

۱۴۔ کتاب امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی المتوفی ۶۰۶ ھ

۱۵۔ کتاب ابی عبداللہ محب الدین محمد بن محمود بن البخاری البغدادی المتوفی ۶۴۳ ھ

۱۶۔ کتاب امام ابی الفضل احمد بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۸ ھ

۱۷۔ کتاب حسین بن جرگاہ الہمدانی المتوفی ۸۷۸ ھ

۱۸۔ کتاب امام عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی

۱۹۔ کتاب امام برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعفری المتوفی ۷۳۲ ھ

۲۰۔ کتاب القاضی تقی الدین ابی بکر بن احمد شہبہ الاد مشقی المتوفی ۸۵۱ھ

۲۱۔ کتاب امام نصر بن ابراہیم المقدسی المتوفی ۴۹۵ھ [1]

مندرجہ بالا حالات زندگی کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ امام شافعی کو جو ناصر الحدیث کہا گیا ہے تو حدیث میں آپ کا مقام کیا ہے؟ اور آپ نے کس حد تک حدیث کی خدمات سرانجام دی ہیں۔

ابو حاتم الرازی فرماتے ہیں۔ لولا الشافعی لکان اصحاب الحدیث فی العمی

یعنی اگر امام شافعی نہ ہوتے تو اصحاب حدیث تاریکی ہی میں رہتے [2]

اسی طرح امام محمد کا ارشاد ہے۔ کان اصحاب الحدیث رقوداً حتی جاء الشافعی فایقضھم

یعنی اصحاب حدیث سوئے ہوئے تھے کہ امام شافعی نے بیدار کیا۔

اگر ہم دوسری صدی ہجری پر نظر ڈالیں تو لاتعداد مفکرین اور علما نظر آئیں گے جنہوں نے دنیائے اسلام کو علم وحکمت کی روشنی سے منور کیا۔ لیکن اس صدی میں سب سے زیادہ منفرد اور نمایاں شخصیت امام شافعی کی ہے جنہوں نے تمام تر علوم اسلامیہ اور خصوصاً حدیث کے میدان میں جو خدمات انجام دی ہیں اور اس میں جس اعلیٰ مقام پر آپ پہنچے ہیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے آپ نے جو راہیں استوار کی ہیں ان میں آپ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل کا یہ قول کہ "جس کسی کے ہاتھ میں قلم دوات ہے یعنی وہ حدیث لکھتا ہے اس کی گردن پر امام شافعی کا احسان ہے [3]

اس کے علاوہ امام احمد بن حنبل اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "ماعلمنا المجمل من المفسر ولاناسخ حدیث رسول اللہ من منسوخہ حتی جالسنا الشافعی" یعنی مجھے مجمل ومفسر اور ناسخ ومنسوخ حدیث کی پہچان اس وقت تک نہ ہوئی تھی جب تک کہ میں امام شافعی کے پاس نہ بیٹھا تھا۔

اس عظیم محدث نے علم حدیث میں عالم اسلام کی کیا خدمت کی ہے اس کا اندازہ ان کی تصانیف کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ کہ ان کا یہ کتنا بڑا احسان ہے۔ پہلی صدی ہجری میں جب فتنہ انکار حدیث اٹھا تو عمر بن عبد العزیز نے اس خیال سے کہ کہیں حدیث ضائع نہ ہو جائے علمائے وقت کو حدیث مدون کرنے کا حکم دیا۔ تو اس وقت ابن شہاب الزہری نے رسالہ المتطرفہ لکھا۔ اور مکہ میں ابن جریج ۱۵۰ھ مدینہ میں ابن اسحاق ۱۵۱ھ اور امام مالک ۱۷۹ھ، ربیع بن صبیح ۱۶۰ھ۔ سعید بن ابی عروبہ ۱۵۶ھ۔ اور حماد بن سلمہ ۱۷۶ھ نے بصرہ میں سفیان ثوری ۱۶۱ھ نے کوفہ میں، امام اوزاعی ۱۵۶ھ نے شام میں۔ ہیثم ۱۸۹ھ نے واسط میں اور

---

[1] اتحاف النبلاء صفحہ ۳۴ [2] مرأة الجنان جلد ۲ صفحہ ۲۳

المعمر ۱۵۴ھ نے یمن میں اور جریر بن عبدالحمید اور ابن المبارک نے خراسان میں حدیث لکھی لیکن سوائے الموطا امام مالکؒ، آثار امام محمدؒ اور مسند امام شافعیؒ کے کوئی بھی کتاب ہم تک نہیں پہنچی[1]

فتنہ انکار حدیث کے سدباب کے لئے حدیث کی جرح و تعدیل کے پیمانے مقرر کئے ۔ اسماء الرجال کا عظیم فن مدون کیا۔ رواۃ کی ثقاہت و عدالت کا لحاظ بھی کیا جانے لگا اور کتب احادیث کو مدون کیا گیا۔ اس کے علاوہ ناسخ و منسوخ کے علم کی بھی تدوین ہوئی ۔علم حدیث کے ان علماء میں امام شافعیؒ کا نام السابقون الاولون کی صف میں آتا ہے ۔

تدوین و کتابت حدیث کے متعلق امام شافعی کی کتاب "مسند" ہے یہ ان احادیث کا مجموعہ ہے جنہیں خود امام صاحب نے اپنے شاگردوں کے سامنے سند کے ساتھ بیان کئے ۔ ان میں جو احادیث ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم نے ربیع بن سلیمان المرادی سے سن کر "کتاب الام" اور "المبسوط" میں جمع کی ہیں انہیں یکجا کر کے "مسند" امام شافعیؒ نام رکھا گیا ہے ۔ ربیع بن سلیمان نے سوائے چار احادیث کے جو بواسطہ البویطی ہیں تمام احادیث کو امام شافعیؒ سے سنا ہے ۔

اسی طرح آپ نے جب اصول فقہ و حدیث متعین فرمائے تو آپ نے "کتاب الرسالۃ" لکھی ۔ اس کتاب کو آپ نے دو مرتبہ تالیف کیا ۔ اس لئے علماء اسے دو الگ الگ کتابیں سمجھتے ہیں یعنی الرسالہ الجدیدہ اور الرسالہ القدیمہ ۔

جہاں تک الرسالہ القدیمہ کا تعلق ہے اسے امام شافعیؒ نے مکہ کے امام حافظ عبدالرحمٰن بن مھدی کے کہنے پر تالیف فرمایا ۔ امام حافظ عبدالرحمٰن نے آپ کو لکھا کہ میرے لئے کوئی ایسا رسالہ تالیف کیجیے ۔ جس سے معانی قرآن سمجھنے کا طریقہ ، حدیث کے رد و قبول کا معیار ، حجیت اجماع کا ذکر اور قرآن و سنت کے ناسخ و منسوخ ہونے کا ذکر ہو ۔ پس آپ نے کتاب "الرسالۃ" لکھی[2]

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے الرسالۃ کو عراق میں لکھا ۔ علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے کہا کہ عبدالرحمٰن بن مھدی اپنے خط کے جواب کا منتظر ہیں تو آپ نے یہ رسالہ عراق سے حارث بن سریج النقال الخوارزمی البغدادی کے ہاتھ عبدالرحمٰن بن مھدی کی خدمت میں روانہ کیا ۔

فخرالدین الرازی مناقب شافعی میں لکھتے ہیں کہ آپ نے یہ رسالہ بغداد میں تالیف کیا اور جب آپ مصر چلے گئے تو الرسالہ الجدید لکھا ۔ قدیم رسالہ ضائع ہو چکا ہے اور جو رسالہ موجود ہے وہ الرسالۃ الجدید ہے ۔

---

[1] الحدیث والمحدثون ص ۲۴۴، ۲۴۵ [2] مقدمہ کتاب الرسالہ ص۱۱

یہ رسالہ آپ نے ربیع بن سلیمان کو املاء کروایا تھا۔ امام شافعیؒ نے اس کا نام الرسالۃ نہیں رکھا بلکہ وہ اسے کتابی کتابنا اور الکتاب کے نام یاد کرتے تھے۔ اور چونکہ اسے عبدالرحمن بن مہدی کی طرف ارسال کیا گیا تھا اس لئے اسے الرسالۃ کا نام دیا گیا ہے[1]

کتاب الرسالۃ وہ پہلی کتاب ہے جو اصول فقہ و اصول حدیث پر لکھی گئی۔ الرازی مناقب شافعیؒ میں فرماتے ہیں کہ امام شافعی سے پہلے اصول فقہ میں لوگ استدلال و معارضہ کیا کرتے تھے لیکن بوقت ضرورت رجوع کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی قانون نہ تھا۔ پس امام صاحب نے اصول فقہ کا استنباط کر کے لوگوں کے لئے قانون بنا دیا۔

بدرالدین الزرکشی "البحر المحیط فی الاصول" میں فرماتے ہیں کہ "شافعی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں اصول فقہ کو مدون کیا۔ ان میں الرسالۃ، کتاب احکام القرآن، اختلاف الحدیث، ابطال الاستحسان، کتاب اجماع العلم اور کتاب القیاس شامل ہیں۔

احمد بن محمد الشاکر فرماتے ہیں کہ یہ کتاب صرف اصول فقہ ہی نہیں بلکہ اصول حدیث بھی ہے کیونکہ اس میں خبر واحد اور اس کی صحت، حدیث کی شروط صحت، راویوں کی عدالت، مرسل و منقطع، خبر کے رد کی وجوہات وغیرہ بھی شامل ہیں۔

عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ جب میں نے الرسالۃ دیکھا تو میرے حواس گم ہو گئے کیونکہ میں ایک عاقل فصیح و ناصح آدمی کا کلام دیکھ رہا تھا اور میں انہیں اس رسالہ کے باعث اپنی دعاؤں میں شامل کرتا ہوں۔

امام شافعیؒ کا یہ الرسالۃ الجدید ربیع بن سلیمان کے ہاتھ کا لکھا ہوا دار الکتب مصریہ میں موجود ہے۔

المزنی فرماتے ہیں میں نے اس رسالہ کو سو مرتبہ پڑھا اور ہر دفعہ جدید فائدہ حاصل کیا[2]

اس رسالہ میں آپ نے مندرجہ ذیل اصول دین پیش کئے۔

۱۔ دین میں اصل قرآن و حدیث ہیں اگر ان سے استدلال نہ ہو سکے تو پھر قیاس جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔

۲۔ جب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسند صحیح اور متصل مل جائے تو اس پر عمل لازمی ہے۔

۳۔ حدیث ہمیشہ اپنے ظاہری معانی پر محمول ہونی چاہئے اور جب اس میں متعدد معانی کا احتمال ہو تو جو معنی ظاہر حدیث کے قریب ہوں تو وہ لئے جائیں گے۔

۴۔ صحابہ کرام کا اجماع خبر واحد سے بالاتر ہے اور اجماع صحابہ نہ ہونے پر واحد قابل عمل ہے۔

---

[1] مقدمہ کتاب الرسالہ ص۱۲ [2] تاریخ المشاہیر ص۱۵

۵۔ حدیث خواہ کسی درجہ کی ہو قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔
۶۔ جب چند احادیث باہم متعارض ہوں تو ان پر غور کرنا چاہیئے کہ رواۃ کیسے ہیں۔ دوسرے احکام کی ترتیب تیسرے صحابہ کا تقدیم و تاخیر ایمان پر لحاظ کرنا چاہیئے۔
۷۔ حدیث مرسل بجز سعید بن المسیب ناقابل قبول ہے۔
۸۔ حدیث موقوف منقطع کی حیثیت، حدیث متصل صحیح کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔
۹۔ آپ کے دور میں اقوال صحابہ بھی جمع ہو گئے تھے اور بعض اقوال صحیح احادیث کے خلاف تھے اس لئے امام شافعی نے طے کیا کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں اقوال صحابہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور یہ فرمایا "ھم رجال ونحن رجال۔
۱۰۔ ہر عام حکم میں مستثنیات بھی ہوتے ہیں اور عام قطعی نہیں ہوتا۔
۱۱۔ جلب منفعت سے دفع مضرت اولیٰ ہے۔

اس سے پہلے کہ حدیث مرسل کے متعلق امام شافعی کی رائے بتائی جائے۔ مختصراً حدیث مرسل کا تعارف ضروری ہے حدیث مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں کہ راوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل بیان تو کر دیتا ہے مگر سلسلہ روایت کو تابعی تک ختم کر دیتا ہے۔ صحابہ میں سے کسی کا نام نہیں لیتا۔ مرسل خفی اسے کہتے ہیں کہ ایسا صحابی روایت کرے جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ کو خود دیکھا ہو مگر کسی بھی روایت سے اس حدیث کا سننا ثابت نہ ہو بلکہ وہ کسی دوسرے صحابی سے روایت کرے مگر اس کا نام نہ لے[1]

امام حاکم کا بیان ہے یہ قسم فن حدیث میں انتہائی مشکل ہے اور اس پر عبور کسی متبحر عالم کو ہی ہو سکتا ہے۔

اکثر مرسل روایتیں اہل مدینہ میں سے سعید بن المسیب۔ اہل مکہ میں سے عطا ابن ابی رباح۔ مصر میں سے سعید بن ابی ہلال۔ شام سے مکحول۔ اہل بصرہ سے حسن بصری اور اہل کوفہ میں سے ابراہیم بن یزید النخعی روایت کرتے ہیں[2]

محدثین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ مراسیل ناقابل قبول نہیں مثلاً ابن قیم اس حدیث کو بالکل رد کر دیتے ہیں۔ امام النووی التقریب میں ان کے دلائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث مرسل جمہور محدثین اور اکثر فقہا کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے۔ علماء اصول اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جب مجہول الحال راوی کی روایت قابل قبول نہیں حالانکہ اس کا نام معلوم ہوتا ہے تو مرسل روایت کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں راوی کا نام سرے سے

---

[1] سیرت ائمہ اربعہ ص ۴۵۰ ۔ [2] ایضاً

مذکور ہی نہیں ممکن ہے کہ وہ صحابی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تابعی ہو اور دوسری صورت میں اس کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کا احتمال بھی ہے ان وجوہات کی بناء پر حدیث مرسل ناقابل قبول ہے[1]

اس کے برعکس فقہاء حدیث مرسل کو قبول کرتے ہیں۔ امام مالکؒ کو راوی عادل و ضابط مل جائیں تو وہ مرسل روایات قبول کر لیتے ہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ بھی مراسیل کو قبول کرتے ہیں بشرطیکہ راوی لائق اعتماد ہوں۔

لیکن ان تمام فقہاء اور جمہور محدثین کے برعکس امام شافعیؒ نے مراسیل کے متعلق متوسط اور قرین قیاس رویہ اپنایا ہے۔ آپ نے نہ تو انہیں رد کیا ہے اور نہ ہی قبول کیا ہے بلکہ آپ نے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مراسیل کو قبول کیا ہے اور یہ شرائط راوی اور روایت دونوں میں ہونی چاہئیں۔ ان میں اگر کوئی شرط مفقود ہو تو وہ رد کر دیتے ہیں۔

راوی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کبار تابعین میں سے ہو۔ مثلاً سعید بن مسیب اور حسن بصری وغیرہ۔ اور روایت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی گواہ موجود ہو جس کی بناء پر اس کی قبولیت کا پہلو راجح ہو جائے اور یہ چاروں طریقوں سے ممکن ہے۔

۱۔ وہ حدیث کسی دوسرے طریقے سے سنداً روایت کی گئی ہو اور اس کے راوی بڑے قابل اعتماد اور حفاظ حدیث ہوں۔

۲۔ وہ حدیث کسی دوسرے طریق سے مرسلاً مروی ہو اس کا مرتبہ قسم اول سے فروتر ہو۔

۳۔ قول صحابی اس کی تائید کرے کیونکہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابی بھی اسے معتبر سمجھتے تھے۔

۴۔ علماء کے ہاں معمول اور مفتیٰ بہ ہو اور یہ قبول مرسل کی ادنیٰ ترین شہادت ہے۔

امام شافعیؒ کی رائے میں مرسل کا درجہ متصل سے کم ہے یہی وجہ ہے کہ عند التعارض وہ حدیث متصل کو ترجیح دیتے ہیں[2]

مرسل احادیث کی طرح امام شافعیؒ نے متعارض احادیث کے لئے اصول مقرر فرمائے۔ امام ابو حنیفہؒ کو کوفہ کی حدیثوں پر اعتماد تھا اور امام مالکؒ کو مدینہ اور حجاز کی روایات پر یقین تھا۔ لیکن امام شافعی نے اپنا نقطہ نظر یوں بیان کیا کہ صحیح اور متصل روایت خواہ کوفہ کی ہو، بصرہ یا مصر کی ہو، شام یا حجاز کی ہو، قابل قبول ہے۔ آپ نے یہ قاعدہ بھی مقرر کیا کہ اگر ایک حدیث میں کچھ الفاظ کم ہوں اور دوسری روایت میں کچھ الفاظ زائد ہوں تو

---

[1] حیات ابن قیم ص ۳۵۲ [2] ایضاً ص ۲۵۶

ان زیادہ الفاظ کا راوی اگر پہلی روایت کے راوی سے معتبر اور مستند نہ ہو تو ایسے زائد الفاظ کی روایت ناقابلِ قبول ہوگی[1]

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر دو احادیث میں تعارض ہو تو بلا دلیل کسی حدیث کو رد نہ کیا جائے جہاں تک ممکن ہو سکے ان دونوں کے احکام میں تطبیق کی کوشش کی جائے۔

اسی طرح آپ نے تطبیق کے اصول و قواعد مقرر کئے اور ایک کتاب "اختلاف الحدیث" لکھی۔ جو کتاب الام کے حاشیہ پر طبع ہوئی۔ آپ نے اس میں مندرجہ ذیل اصول بیان کئے ہیں:۔

۱۔ اگر دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو بلحاظ شہرت و کثرت طریقہ ہائے اسناد جو روایت ثابت ہو گی وہ قابلِ قبول ہوگی

۲۔ دونوں روایتوں کے راویوں میں اس پر لحاظ کرنا چاہئے کہ ان میں سے زیادہ حافظ، محتاط اور بلند پایہ کون ہے

۳۔ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ کسی روایت کے راویوں کی عدالت اور دیانت پر اتفاق ہے اور کس کی ثقاہت میں اختلاف ہے۔

۴۔ یہ بھی دیکھا جائے کہ کس راوی نے اپنے شیخ سے وہ حدیث صغر سنی میں سنی اور کس نے پختہ عمر میں۔

۵۔ کس راوی نے بالمشافہ اپنے شیخ سے سنی ہے اور کس نے بالواسطہ۔

۶۔ اگر دو راوی ہوں ایک صرف واقعہ نقل کرے اور دوسرا اس واقعہ سے متعلق ہو تو دوسرے راوی کی رائے قابلِ ترجیح ہوگی۔

۷۔ اگر دو روایتیں ہوں حجازی اور عراقی، تو حجازی روایت کو ترجیح ہوگی۔ اگرچہ بصحت سند و رجال ہر حدیث قابلِ قبول ہے لیکن حجازی روایت کو اس لئے ترجیح دی جائے گی کہ بیشتر صحابہ مدینہ میں تھے۔

۸۔ ایسی دو روایتیں ہوں کہ ایک پر شیخین کی خلافت تک بلا چون وچرا عمل ہوا ہو اور دوسری ایسی نہ ہو تو پہلی کو ترجیح ہوگی۔ ۹۔ ایک راوی مشائخ سے روایت کرتا ہے اور دوسرا اسی شہر کے کم فہم اشخاص سے تو پہلی روایت معتبر ہوگی ـــ مندرجہ بالا چند قوانین ہیں جو امام شافعیؒ نے متعارض احادیث کے متعلق مقرر کئے

اسی طرح آپ نے احادیث میں ناسخ و منسوخ کی بحث نے جو مسائل پیدا کر دیئے تھے اس کیلئے بھی آپ نے چند اصول متعین فرمائے جو کہ درج ذیل ہیں۔ ۱۔ یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس یہ ارشاد فرمایا کہ پہلے میرا حکم یہ تھا اور اب یہ حکم دیتا ہوں۔ ۲۔ بصحت سند اکثر صحابہ سے یہ مروی ہو کہ ابتداً ہمیں یہ حکم دیا گیا تھا اور پھر بعد میں یہ حکم دیا گیا۔ ۳۔ یہ کہ امت کا اس پر اجماع ہو۔

---

[1] سیرۃ ائمہ اربعۃ ص ۴۹۵

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت
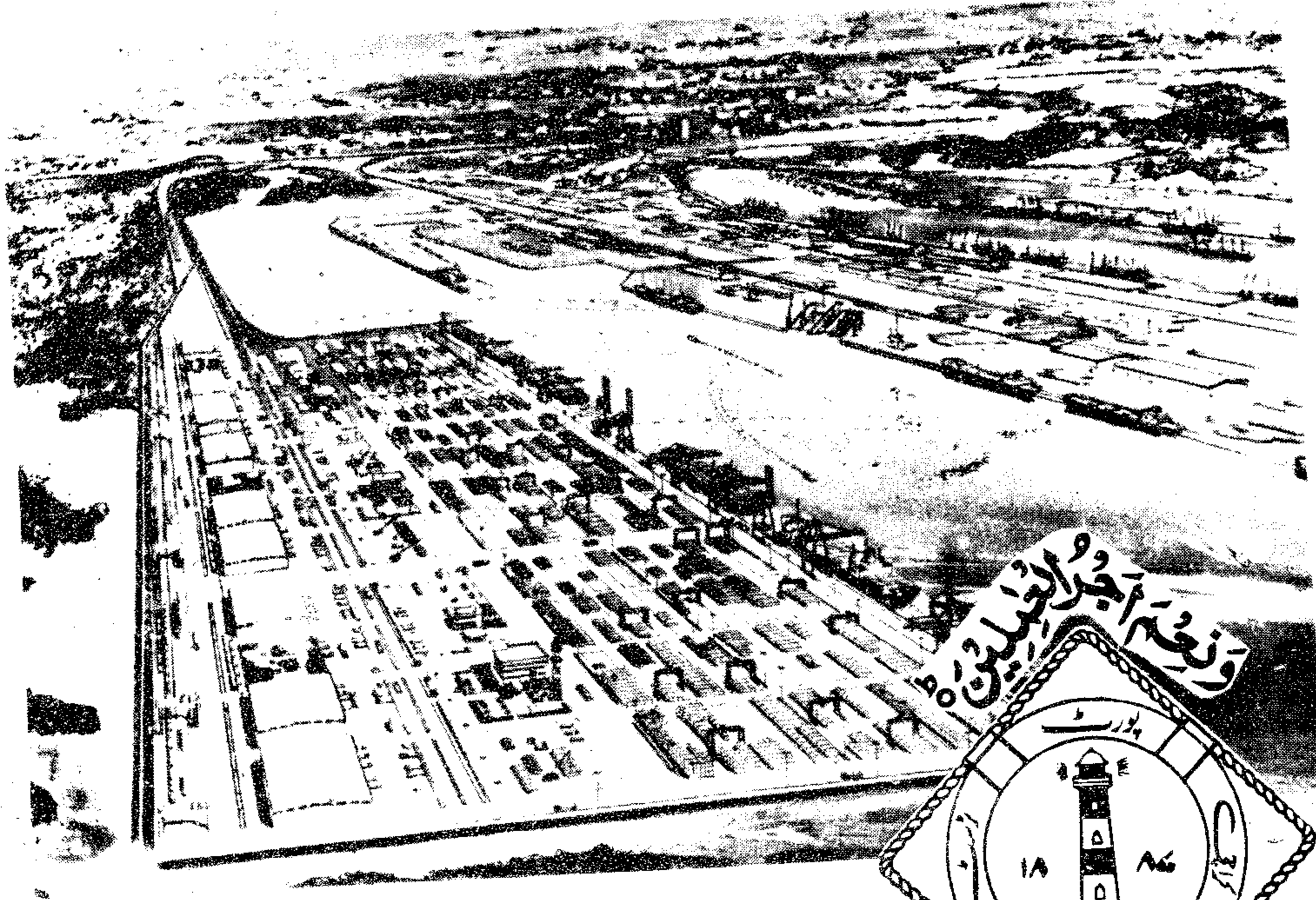
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لیے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لیے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجینیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

4 / 88. PID - Islamabad

شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس ۲۰ ستمبر بروز جمعرات جناب الحاج محمد عباس خان صاحب کے زیر صدارت کتب خانہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔ اراکین شوریٰ نے حسب سابق بھاری تعداد میں شرکت کی۔ حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب مدظلہ کی تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا افتتاح ہوا۔ دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے اپنی افتتاحی تقریر میں دارالعلوم کے سال رواں کی کارگذاری اور بجٹ کے مختلف مصارف کی تشریح اور تفصیل پر طویل رپورٹ پیش کی۔

آپ نے فرمایا کہ دارالعلوم کے تنظیمی، تعلیمی، تبلیغی، تعمیری اور اشاعتی شعبوں پر تیئیس لاکھ چودہ ہزار دو سو تیرہ روپے سترہ پیسے (۲۳۱۴۲۱۳/۱۷) خرچ ہوئے۔ آمدن اور منظور شدہ مصارف کی کمی بیشی پر تفصیلی بحث کے بعد آپ نے سال رواں ۱۴۱۱ھ کے لئے تینتالیس لاکھ انچاس ہزار آٹھ سو روپے (۴۳۴۹۸۰۰/۰۰) پر مشتمل میزانیہ پیش فرمایا جسے اراکین نے آزادانہ اظہار خیال کے بعد متفقہ طور پر منظور فرمایا۔

اپنی افتتاحی تقریر میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے موجودہ نازک حالات میں علوم دینیہ کی ضرورت و اہمیت، مدارس کے استحکام بالخصوص دارالعلوم حقانیہ کے ملکی و بین الاقوامی خدمات، تحریک نفاذ شریعت، جہاد افغانستان میں اس کے روحانی فرزندوں اور فضلاء کی تاریخی اور فعال کارکردگی پر روشنی ڈالنے کے بعد دارالعلوم کے مختلف شعبوں کی رفتار ترقی پر بھی تفصیل سے گفتگو فرمائی۔ دارالعلوم کے آئندہ تعمیری منصوبوں مثلاً ۳۰۰ طلبہ کی گنجائش پر مشتمل ایک مزید دارالاقامہ کی تعمیر کی ضرورت جس پر ۶۰ لاکھ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے۔ ایک بڑے ٹیوب ویل اور بلند سطح کی ٹینکی جس پر ۱۵ لاکھ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے اور دارالعلوم کے لئے ایک مضبوط چاردیواری جس پر چار لاکھ کی لاگت کا تخمینہ ہے۔ جیسے اہم تعمیرات اور منصوبوں پر معاونین حضرات اور قوم کے مخیر حضرات کو تعاون فرمانے کی طرف توجہ دلائی۔ اجلاس میں رکن شوریٰ دارالعلوم مولانا حبیب اللہ جانؒ فاضل حقانیہ اور مولانا عبدالودود باچا صاحب (والد گرامی مولانا رحیم اللہ باچا صاحب و مولانا ثناء اللہ باچا صاحب فضلاء حقانیہ) کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

نقشہ میزانیہ

برائے سال رواں ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۰-۹۱ء

نمبر	مد			
۱-	مطبخ	۹	۰۰	۰۰۰-
۲-	ڈاک		۹	۰۰۰-
۳-	نقد امداد		۵	۰۰۰-
۴-	روشنی فٹنگ		۹۰	۰۰۰-
۵-	صابن		۱۵	۰۰۰-
۶-	اخبارات		۴	۰۰۰-
۷-	طباعت واشاعت		۱۵	۰۰۰-
۸-	امتحانات		۷	۰۰۰-
۹-	باغیچہ		۱۳	۰۰۰-
۱۰-	کتب خریداری و جلدبندی		۳۰	۰۰۰-
۱۱-	ٹیلیفون		۴۳	۰۰۰-
۱۲-	بینک چارج			۲۰۰-
۱۳-	سفارت	۱	۰۰	۰۰۰-
۱۴-	سٹیشنری		۱۰	۰۰۰-
۱۵-	تنخواہ مع الاؤنس مدرسین	۶	۰۰	۰۰۰-
۱۶-	تعلیم القرآن ہائی سکول	۳	۰۰	۰۰۰-
۱۷-	اخراجات اراضی طورو		۲	۰۰۰-
۱۸-	سامان خرید و فروخت		۳۰	۰۰۰-
۱۹-	آب رسانی		۲۰	۰۰۰-
۲۰-	آڈٹ فیس		۴	۰۰۰-
۲۱-	وفاق المدارس		۱	۲۰۰-
۲۲-	درس ریکارڈ		۳	۰۰۰-
۲۳-	لاؤڈ سپیکر مرمت		۱	۰۰۰-
۲۴-	سوئی گیس		۶۰	۰۰۰-
۲۵-	ہنگامی صفائی		۲	۰۰۰-
۲۶-	واٹر پمپ		۲	۰۰۰-
۲۷-	تبلیغ مطبوعات موتمر		۶	۰۰۰-
۲۸-	مرمت تعمیرات		۹۰	۰۰۰-
۲۹-	پلاٹ بھرائی ڈھلائی	۳	۰۰	۰۰۰-
۳۰-	مسجد خطیب و مؤذن		۳	۰۰۰-
۳۱-	احاطہ بندی	۲	۵۰	۰۰۰-
۳۲-	ماہنامہ الحق	۲	۸۰	۰۰۰-
۳۳-	تجہیز و تکفین		۴	۰۰۰-
۳۴-	کرایہ مکانات		۲	۴۰۰-
۳۵-	تعمیر دارالاقامہ	۱۰	۰۰	۰۰۰-
۳۶-	ٹیوب ویل	۲	۵۰	۰۰۰-
		۴۳	۴۹	۸۰۰-

مولانا سمیع الحق / عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرۂ کتب

ماہنامہ الاسلام برطانیہ اولاد و نسل نمبر	مدیر الحاج ابراہیم یوسف باوا ۔ صفحات ١٩٦ ۔ پتہ ۔ ادارہ اشاعت الاسلام

15 STRATTON ROBO GLOUCESTER U.K

یورپ کی ظلمتوں، مادیت کی یلغار، خدا سے انکار، انسانی اقدار سے فرار، شرم وحیا اور شرافت سے بغاوت اور بہیمیت و درندگی کے سیاہ اور فرسودہ و متعفن ماحول میں مخدوم محترم حضرت مولانا ابراہیم یوسف باوا صاحب رنگونی مدظلہ کا ماہنامہ "الاسلام" اس کے گراں قدر مضامین، وقیع تحریریں، موصوف کی تالیفات علمی کاوشیں بالخصوص "الاسلام" کا اولاد و نسل نمبر ایک روشنی کے چراغ اور ہدایت کے میعار سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ موصوف ١٥ سال سے ظلمت کدہ یورپ میں چراغِ ہدایت لئے دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کامیاب کام کر رہے ہیں اور اس قلیل ترین مدت میں تنہا بحمداللہ اتنا کام کر چکے ہیں جو پوری پوری انجمنیں اور اکیڈمیاں ہی سرانجام دے سکتی ہیں۔ اس کی وجہ موصوف کا اخلاص، للہیت، دردِ دل، سوزِ دروں، دین سے سچا تعلق اور جنون اور دین کے کام کی تکمیل کی وارفتگی ہے۔ پس یہ تو اللہ ہی کا نظرِ انتخاب ہوتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رضا کے کام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی ترویج و اشاعت پر لگا دیتا ہے ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

موصوف کو تاریخ دعوت و عزیمت کے عظیم رجال کار سے تعلق خاطر ہے اور مشائخ و علماء امت سے عقیدت سے بڑھ کر محبت اور وارفتگی ہے۔ ریحانۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، محدث العصر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دیگر اکابر اور ان کی توجہ و دعائے پرخلوص سے موصوف اصلاح و ترویج شریعت کی غرض سے درجنوں کتابیں لکھنے اور ان کی اشاعت و تقسیم میں کامیاب رہے۔

اور اب موصوف ایک ضخیم کتاب "الاسلام کا اولاد و نسل نمبر" نکالنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں مضامین کا انتخاب تو ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔ خود موصوف نے اداری تحریر اور ذاتی تجربات، مشاہدات سے جو

کچھ لکھا ہے وہ ان تمام لوگوں کے لئے سرمۂ عبرت ہے۔ جو اپنے جگر گوشوں کو اپنے ہاتھوں سے تہذیب مغرب کے حوالے کر گئے جہنم کی آگ میں دھکیل رہے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ اگر "الاسلام" باقاعدگی سے اسی انداز سے مصروف خدمت رہا اور حضرت باوا صاحب اسی انداز میں اس کو نکالنے کا اہتمام کرتے رہے تو یہ پوری قوم وملت کے لئے مینارۂ نور وہدایت ثابت ہوگا۔ اور ظلمت کدہ یورپ میں آفتاب ہدایت بن کر چمکے گا۔ نیز ذاتی طور پر حضرت باوا صاحب کا بے حد ممنون اور شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس امر مہم میں مرکز علم دارالعلوم حقانیہ کے فاضل و مدرس حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ (جو دسیوں کتابوں کے مصنف، ماہنامہ الحق کے نائب مدیر اور دارالعلوم میں اعلیٰ کتابوں کے استاذ ہیں) کی مشاورت اور معاونت سے فائدہ اٹھایا۔ موصوف کی شرکت سے "الاسلام" کے اثرات، تہذیب مغرب اور لادینیت کے خلاف دوآتشہ ہوں گے۔ باری تعالیٰ ادارہ کے تمام کارکنوں منتظمین ومعاونین کے درجات بلند فرماوے اور توفیق دے کہ وہ "الاسلام" کو زیادہ سے زیادہ بہتر صورت میں مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرسکیں۔ (سمیع الحق)

مسند ابوداؤد الطیالسی (عربی) تصنیف، امام ابوداؤد سلیمان بن داؤد الطیالسیؒ
ناشر مکتبہ حسینیہ۔ قذافی روڈ۔ گرجاکھ۔ گوجرانوالہ۔ صفحات ۴۵۶۔ قیمت ۱۵۰ روپے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی تدوین وحفاظت اور تبلیغ واشاعت کے سلسلہ میں جس طرح ائمہ حدیث، امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، امام مسلمؒ، امام احمدؒ کا نام روشن اور احادیث کی سند اور صحت روایات کی ضمانت ہے اسی طرح امام ابوداؤد الطیالسیؒ نے بھی دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی کے اوائل میں ارشادات رسولؐ کی حفاظت اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے، جمع وتدوین، فقہی ترتیب، ان کی چھان پھٹک صحیح وضعیف اور موضوع روایات میں امتیاز اور فرق کو واضح کرنے کے سلسلہ میں شب وروز محنت ومشقت کرکے "مسند" مرتب کرکے علمی ومدینی حلقوں پر عظیم احسان کیا۔ موصوف کے جمع کردہ ذخیرۂ حدیث کو علمی ودینی، تحقیقی وتدریسی حلقوں میں نمایاں اور مستند مقام حاصل ہے۔ مسند ابوداؤد الطیالسی کافی عرصہ قبل حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی تھی اور اب مکتبہ حسینیہ کو یہ اولیت اور سبقت کا شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی خدمت میں حیدرآباد دکن کے نسخہ کو خوبصورت عکسی طباعت، معیاری کاغذ اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ گرانی اور مہنگائی کے اس دور میں قیمت معقول ہے۔ (عبدالقیوم حقانی)